ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

۱۰/جون ۹۶ء

☆ یروشلم کی حد تک مصالحانہ رویہ اختیار کر کے باقی فلسطین کو بچایا جا سکتا تھا

☆ اہل تشیع اپنے اصول استنباط میں تبدیلی کرنے کو تیار ہیں : افکار معاصر

☆ پورے کرۂ ارضی پر بالآخر اللہ کے دین کا بول بالا ہو گا : قند مکرر

حدیث امروز

مرد کی دنیا

جنرل (ر) محمد حسین انصاری

رحمت مسیح کے خلاف توہین رسالت کیس کے بعد ایک دینی گھرانے کی لڑکی صائمہ کے نکاح سے متعلق عدالت میں دائر شدہ کیس بین الاقوامی شہرت پا گیا ہے۔ انسانی حقوق کے نام پر مختلف تنظیمیں بالخصوص "ایمنسٹی انٹرنیشنل" دنیا کو باور کرانے میں سرگرم عمل ہے کہ پاکستان میں خواتین کے حقوق پامال کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں ملکی سطح پر "اسلامک ہیومن رائٹس" کے نام سے 'فورم' لاہور میں تشکیل پایا ہے جس کے اغراض و مقاصد میں دنیا پر اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ دین اسلام انسانی حقوق کا سب سے بڑا علمبردار ہے اور ساتھ ہی وطن عزیز میں ان حقوق کی نگہداشت کے لئے عملی اقدامات کا عزم بھی ہے۔ اس موضوع پر قاہرہ اور بیجنگ میں ہونے والی کانفرنسوں کا اکثر ذکر ہوتا ہے کہ مغرب اسلامی دنیا میں خاندانی نظام ختم کرانے کے لئے باقاعدہ منصوبے پر عمل پیرا ہے۔ حاضرین میں علماء کرام کی اکثریت والے اجلاس میں ایک عالم دین نے درد بھرے انداز میں شکوہ کیا کہ پاکستان میں ہر نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکا ہے۔ ایک خاندانی نظام ہی بچا تھا اور یورپ اسے بھی تباہ کرنا چاہتا ہے۔ مولانا مذکور کے اس بیان نے سوچ بچار کے حامل اذہان میں کئی سوال پیدا کر دیئے ہیں۔ ہمارے ہاں زندگی کے مختلف پہلوؤں میں جو بگاڑ نمودار ہوا ہے کیا یہ سب واقعی یورپ کا کیا دھرا ہے؟ جس خاندانی نظام کے اب تک بچے رہنے کا دعویٰ ہے کیا وہ واقعی بچا ہوا ہے؟ کتنے خاندان ہیں جو لڑکیوں کو وراثت کا حق دیتے ہیں؟ کتنے لوگ ہیں جو اپنی بیٹی کا نکاح مسجد میں کرانے پہ رضامند ہیں جبکہ یہود و نصاریٰ کے ہاں شادی کی رسم تو عبادت گاہوں ہی میں ہوتی ہے؟ کتنے نکاح خواں علماء حضرات ہیں جو بارات میں لڑکی والوں کی جانب سے دعوت میں نکاح پڑھانے سے انکار کر دیتے ہیں اس لئے کہ جہیز و بارات کی رسم اسلام میں قطعاً ناجائز ہے؟ ایک خوش نام مفتی صاحب نے بتایا کہ شادی کی ایک تقریب میں جب وہ لڑکی سے نکاح کی اجازت لینے گئے تو وہ انہیں غیر معمولی انداز میں روتی ہوئی محسوس ہوئی۔ انتہائی اصرار پر مفتی صاحب کو بتایا گیا کہ لڑکی والدین کے مجوزہ دولہا سے شادی کرنے پر رضامند نہیں۔ مزید دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ لڑکی کے والد کے پیر اپنے ایک مرید سے اس لڑکی کی شادی پہ مصر ہیں۔ چنانچہ مفتی صاحب نے نکاح پڑھانے سے انکار کر دیا۔ البتہ ایک اور عالم دین نے نکاح پڑھا دیا اور سرکاری فیس کے علاوہ خصوصی نذرانہ لے کر چلتے بنے۔ کیا ہمارے ہاں جہیز کی لعنت کے باعث بے شمار لڑکیوں کی حقوق تلفی نہیں ہو رہی؟ کیا وطن عزیز میں دین سے شغف رکھنے کا دعویدار خاصا طبقہ لڑکی کے رشتے کی قیمت وصول نہیں کرتا؟ کیا بعض علاقوں میں لڑکی کی شادی قرآن مجید سے کر دینے کا رواج نہیں؟ کیا آئے دن اخبارات میں غریبوں کی لڑکیوں کی عصمت دری کے واقعات پڑھ کر سر ندامت سے جھک نہیں جاتے؟ اس زبوں حالی کا کون ذمہ دار ہے؟ کیا یہ بھی مغرب کی سازش کا نتیجہ ہے؟ بلاشبہ دین سے انحراف پر ہر شخص ذاتی حیثیت میں جواب دہ ہے مگر علماء کرام بھی تو اجتماعی بگاڑ کی ذمہ داری سے مبرا نہیں۔ جدید دور کی ہوش ربا تیز رفتاری کے پیش نظر ہمیں دونوں محاذوں یعنی بیرونی سازش اور اندرونی غفلت پر خوب سوچ بچار سے کام کرنا ہو گا۔ اغیار کو سمجھانے میں زیادہ محنت کی بجائے اپنے گھر کو آراستہ کرنے کے لئے کمربستہ ہو جانا زیادہ بہتر ہو گا۔ اس کام کے لئے مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے مدمقابل ہونے کی بجائے مل کر کام کرنا چاہئے۔ زندگی کے ہر پہلو میں عورت مرد کی اہم ترین ساتھی ہے۔ جس طرح مرد کے بنا عورت ادھوری ہے اسی طرح عورت کے بغیر مرد نامکمل۔ موجودہ غیر تسلی بخش حالات کے پیش نظر عورت کو عملاً باور کرانے کی اشد ضرورت ہے کہ یہ صرف مرد کی دنیا نہیں بلکہ یکساں طور پر دونوں کے لئے ہے۔ دین اسلام نے عورت کے جو حقوق وضع کئے ہیں ان کی پر خلوص نگہداشت ہی میں زیر بحث مسائل کا حل ہے۔ پاکستانی مسلمان عورت بفضلہ تعالیٰ آج بھی مرد کے مقابلے میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ اسے انسان سمجھئے پتھر نہیں' اسے اچھا کہئے حقیر نہیں' اسے ساتھی بنائیے خادمہ نہیں۔ اس کا جائز مقام اسے لوٹا دیجئے' یہ خاندانی زندگی کو قابل رشک بنا دے گی۔OO

قیمت : ۸ روپے

الہدیٰ

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں ○

(فوز و فلاح سے ہمکنار ہونے والے اہل ایمان کے سیرت و کردار کی پانچویں خوبی..... کہ اس سے پہلے چار اوصاف کا بیان ہو چکا ہے...... یہ ہے کہ وہ امانتوں میں خیانت نہیں کرتے کہ خیانت کرنا بنیادی انسانی اخلاق کے منافی بھی ہے اور پست ذہنیت کی دلیل بھی۔ اور.... چھٹا وصف ان باہمت اصحاب ایمان و یقین کا یہ ہے کہ وہ اپنے عہد اور قول و قرار کو پورا کرتے ہیں کہ ایفائے عہد کو ہمیشہ سے ایک اعلیٰ قدر کی حیثیت حاصل رہی ہے اور بد عہدی اور عہد شکنی کو ہر دور میں سیرت و کردار کے بد نما دھبوں میں گردانا گیا ہے' اور یوں بھی انسانوں کے باہمی معاملات کی درستی اور صحت کا دار و مدار انہی دو اوصاف..... یعنی امانت داری اور ایفائے عہد.... پر ہے کہ کسی قوم میں اگر یہ دو اوصاف مفقود ہو جائیں تو وہاں بد اعتمادی اور بے اطمینانی کی وہ کیفیات جنم لیتی ہیں کہ وہ معاشرہ اسی دنیا میں جنہم کا نقشہ پیش کرنے لگتا ہے اور زوال و انحطاط اس قوم کا مقدر بن جاتے ہیں)

اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ○

(اہل ایمان کے نمایاں اوصاف کے بیان میں اول و آخر نماز ہی کا ذکر ہے۔ پہلی آیت میں نماز کی روح یعنی خشوع و خضوع کی جانب اشارہ تھا تو اختتام حفاظت صلوۃ کے ذکر پر ہوا۔ گویا بندۂ مومن کا نمایاں ترین وصف اقامت صلوٰۃ ہے' کہ کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہونے والے اہل ایمان اپنی نمازوں میں صرف عاجزی ہی اختیار نہیں کرتے' نماز کی ادائیگی میں باقاعدگی' پابندی وقت اور باجماعت نماز کی ادائیگی کا اہتمام بھی اس شان سے کرتے ہیں کہ ان کے شب و روز کے معمولات گویا نماز کے کھونٹے سے بندھ جاتے ہیں اور نماز ان کی زندگی میں ترجیح اول کا مقام رکھتی ہے۔)

یہی لوگ وہ وارث ہیں ○ جو ٹھنڈی چھاؤں کے باغات میراث میں پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

(کہ اس دنیا کے عارضی اور محدود وقفہ حیات میں جو شخص اپنے نفس کے منہ زور گھوڑے کو لگام دے کر اپنے سیرت و کردار کو مذکورہ بالا اوصاف سے آراستہ کرنے میں کامیاب ہو گیا وہ اس عظیم امتحان میں کامیاب قرار پایا جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے دوچار کیا تھا کہ ؎

قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب   اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

اور انہی باہمت لوگوں کے لئے اللہ نے جنت فردوس تیار کی ہے جو اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی میراث ہو گی۔ اور کوئی انہیں وہاں سے بے دخل کرنے والا نہ ہو گا۔)

(سورۃ المومنون' آیت ۸ تا ۱۱)

جوامع الکلم

اس شخص کا کوئی ایمان نہیں جس میں امانت داری کا وصف نہیں' اور جو عہد کا پاس نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں

(کہ "ایمان" اور "امانت" دونوں لفظ امن سے نکلے ہیں۔ تو جو شخص امانت میں خیانت کا ارتکاب کرتا ہے وہ گویا اپنے عمل سے ایمان کی نفی کرتا ہے۔ اسے یہ یقین حاصل نہیں ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے' یوم آخر کا خیال اس کے ذہن سے شاید محو ہو چکا ہے۔ اور جو شخص انسانوں سے کئے ہوئے عہد کو توڑ دیتا ہو اس سے توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اللہ سے کئے گئے عہد کو پورا کرے گا کہ دین تو بندے اور رب کے مابین ایک معاہدے ہی کا نام ہے)۔

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

○

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

بانی مدیر : اقتدار احمد مرحوم
جلد ۵ شمارہ ۲۲
۱۰/ جون ۹۶ء

12

ایڈیٹر
حافظ عاکف سعید

○

یکے از مطبوعات
تحریک خلافت پاکستان
۴ ۔ اے‘ مزنگ روڈ‘ لاہور

○

مقام اشاعت
۳۶۔کے‘ ماڈل ٹاؤن‘ لاہور
فون : ۵۸۶۹۵۰۱-۳

○

پبلشر : محمد سعید اسعد طابع : رشید احمد چودھری
مطبع : مکتبہ جدید پریس‘ ریلوے روڈ لاہور

○

قیمت فی پرچہ : ۸ روپے
سالانہ زر تعاون (اندرون پاکستان) ۱۵۰ روپے

○

زر تعاون برائے بیرون پاکستان

☆ ترکی‘ اومان‘ مصر	۱۳/امریکی ڈالر
☆ سعودی عرب‘ کویت‘ بحرین‘ قطر‘ عرب امارات‘ بھارت‘ بنگلہ دیش‘ یورپ‘ جاپان	۲۰ امریکی ڈالر
☆ امریکہ‘ کینیڈا‘ آسٹریلیا‘ نیوزی لینڈ	۲۶ امریکی ڈالر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ایڈیٹر کے ڈیسک سے!

تازہ اخباری اطلاعات کے مطابق وزیر اعظم نے حزب اختلاف کی جانب سے پیش کردہ احتسابی کمیشن کی تجویز مسترد کر دی ہے۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ اسی روز اصغر خان کا یہ بیان بھی اخبارات کی زینت بنا کہ اسمبلی میں اکثریت جرائم پیشہ لوگوں کی ہے جو ہر سال ایک سو ارب روپے ڈکار جاتے ہیں۔ انہوں نے نواب زادہ نصراللہ خان اور مولانا فضل الرحمٰن کے روز افزوں بیرون ملک دوروں پر بھی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے یہ الزام لگایا کہ یہ ہر دو قابل احترام بزرگ بیرونی دوروں سے ہیروں اور جواہرات پر مشتمل تحائف سے لدے پھندے واپس تشریف لاتے ہیں!! واللہ اعلم۔ ان باتوں سے اس شے کو تقویت ملتی ہے کہ ملکی سرمائے کی لوٹ کھسوٹ اور بددیانتی اور کرپشن میں ہمارے "معزز" ارکان اسمبلی نہ صرف یہ کہ پوری طرح ملوث ہیں بلکہ اس میدان میں انہوں نے دیگر تمام طبقات کو مات دے دی ہے۔

پاکستان کا شمار اگر دنیا کے ان معدودے چند ممالک میں کیا جاتا ہے جو کرپشن اور بددیانتی میں چوٹی پر ہیں‘ تو بلا سبب نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ملک کا کوئی ایک شعبہ بھی ایسا نہیں بچا جو کرپشن سے پاک ہو۔ تاہم کرپشن کی اس دوڑ میں چوٹی کے سیاستدانوں اور ممبران اسمبلی کا‘ جو سیاسی سطح پر عوام کی نمائندگی کا مقدس فریضہ سرانجام دیتے ہیں‘ اس بری طرح ملوث ہونا نہایت تشویش ناک ہے۔ اور اس صورتحال کو "یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالمِ پیری" کے مصداق ملکی سالمیت کے حوالے سے خطرے کی سنگین گھنٹی ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ان قوموں کے طور اطوار کا نقشہ کہ جن کے بارے میں اللہ کی طرف سے عذاب ہلاکت کا حکمنامہ جاری ہو گیا ہو‘ ان الفاظ میں کھینچا گیا : (ترجمانی) "اور جب ہم کسی بستی کے بارے میں ہلاکت کا ارادہ کرتے ہیں تو اس بستی کے صاحب ثروت اور صاحب حیثیت لوگوں کو کھلی چھوٹ دے دیتے ہیں کہ وہ اس میں فسق و فجور کا بازار خوب گرم کریں یہاں تک کہ ان پر ہمارے قانون عذاب کی دفعہ لاگو ہو جائے۔ پھر ہم اس بستی کو ملیامیٹ کر دیتے ہیں"۔ کیا یہ آیت ہمارے معاشرے کی صحیح صحیح عکاسی نہیں کر رہی؟ اللہ تعالیٰ ہمیں اس انجام بد سے بچائے (آمین)

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ ملک کے تمام مسائل اور مصائب کا اصل سبب انگریز کا چھوڑا ہوا جاگیرداری نظام اور مغرب کا دیا ہوا سودی معیشت کا نظام ہے۔ اور اسے اگر ختم کر دیا جائے تو ملک اور قوم کے حالات سدھر سکتے ہیں لیکن حالیہ برسوں میں جس وسیع پیمانے پر ہولناک مالی بدعنوانیوں اور رشوت اور جھوٹ کے کاروبار میں اضافہ ہوا ہے اس کے سامنے جاگیرداری اور سودی نظام کی تباہ کاریاں ماند پڑ گئی ہیں۔ اس لئے کہ مسئلہ اب محض کسی نظام کے اچھے یا برے ہونے تک محدود نہیں رہا بلکہ اس نظام کا پروردہ ایک طبقہ قوت و اختیار کے بل پر کھلم کھلا ڈاکہ زنی پر اتر آیا ہے۔

اس ضمن سردست یہ کہنا تو قبل از وقت ہو گا کہ حزب اختلاف احتسابی کمیشن سے متعلق اپنی تجویز میں واقعتاً سنجیدہ تھی یا یہ محض ایک سیاسی سٹنٹ تھا‘ تاہم یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ حکومت اگر یہ تجویز مان بھی لیتی تو بھی اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوتا۔ اس لئے کہ یہ بات غور طلب ہے کہ ملک میں ایسے اداروں کی پہلے کون سی کمی ہے جو مجوزہ احتسابی کمیشن کے ذریعے پوری ہو جاتی! انسداد رشوت ستانی کا ایک محکمہ تو قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی قائم ہو گیا تھا اور وہ آج بھی قائم و دائم ہے‘ پھر وفاقی سطح پر محتسب اعلیٰ اور اس کے صوبائی دفاتر ہمہ وقت مصروف کار ہیں اور ان سب پر مستزاد ملک میں عدلیہ موجود ہے‘ لیکن ان سب کی مجموعی کارکردگی اور معاشرے پر ان کی اثر پذیری ہمارے سامنے ہے۔ تاہم حکومت کی احتیاط پسندی کا یہ عالم ہے کہ وہ احتسابی کمیشن کو قائم کرنے کا رسک لینے پر بھی کسی طور آمادہ نہیں! ارباب حکومت کا یہ طرز عمل اس حقیقت کا غماز ہے کہ ان کا اپنا دامن صاف نہیں ہے۔ گویا چور کی اپنی داڑھی میں تنکا موجود ہے!

بدعنوانی اور ناجائز ذرائع سے دولت کے حصول کے بارے میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ ایک عالمی سطح کا مسئلہ ہے‘ ایک عام آدمی کے لئے سب سے زیادہ پریشان کن اور سنگین مسئلہ روز بروز بڑھتی مہنگائی اور امن و امان کا ہے۔ لیکن یہ مسائل کوئی اچانک آسمان سے نہیں ٹپک پڑے بلکہ اگر ماضی پر نگاہ ڈالیں تو صاف نظر آئے گا کہ مہنگائی اور امن و امان کا مسئلہ بتدریج خراب سے خراب تر ہوا ہے۔ ہر آنے والی حکومت اس دعوے کے ساتھ زمام اقتدار سنبھالتی رہی ہے کہ وہ مہنگائی کے جن کو واپس بوتل میں بند کر دے گی اور امن و امان کا مسئلہ حل کر کے دکھائے گی لیکن کوئی بھی حکومت مثبت سمت میں ایک انچ بھی پائیدار پیش رفت نہیں کر سکی۔

(باقی صفحہ ۱۷ پر)

پورے کرۂ ارضی پر بالآخر اللہ کے دین کا بول بالا ہو گا

یہ حالات و کیفیات ہماری اپنی بے عملی ہی نہیں بد اعمالی کا نتیجہ ہیں

موجودہ صورتحال مستقل نہیں عارضی ہے اور مستقبل میں بالکل برعکس ہو جائے گی

ڈاکٹر اسرار احمد کی نوائے وقت میں شائع ہونے والی اپریل ۱۹۹۳ء کی ایک تحریر

اپنے ورود امریکہ کے دوسرے ہی دن ۲۲ جنوری ۹۳ء کو نیو جرسی سٹیٹ کے صنعتی شہر ٹرینٹن میں خطاب جمعہ کے لئے ذہن تانا بانا بننے میں مصروف تھا کہ اچانک بجلی کوندنے کے سے انداز میں یہ تلخ حقیقت سامنے آئی کہ ہم سورۃ البقرہ کی آیت ۶۱ میں وارد شدہ الفاظ "ان پر ذلت اور مسکنت تھوپ دی گئی' اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے!" کو پڑھتے ہوئے اطمینان سے گزر جاتے ہیں' اس لئے کہ یہ الفاظ یہودیوں کے بارے میں وارد ہوئے ہیں' لیکن اگر موجودہ حالات کا معروضی مطالعہ کیا جائے تو اس وقت ان الفاظ قرآنی کے مصداق کامل مسلمان ہیں نہ کہ یہود! (واضح رہے کہ ذرا سی تقدیم و تاخیر کے ساتھ یہ مضمون سورۂ آل عمران کی آیت ۱۱۲ میں بھی وارد ہوا ہے!) اسی طرح سورۃ الفاتحہ کی آخری آیت کی تفسیر کے ضمن میں اس امر پر مفسرین کا تقریباً اجماع ہے کہ "مغضوب علیھم" کی عملی تفسیر یہود ہیں اور "ضالین" کی مثال نصاریٰ ہیں' جبکہ واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ مؤخر الذکر یعنی عیسائیوں کا گمراہ ہونا تو یقیناً اب بھی صدفی صد درست ہے' لیکن "مغضوب علیھم" کی عملی تفسیر تو اس وقت یہود نہیں' مسلمان ہیں!

> سوا ارب سے زیادہ افراد پر مشتمل عالمی ملت اسلامیہ اس وقت بالفعل ع "حمیت نام ہے جس کا گئی تیمور کے گھر سے" کا نقشہ پیش کر رہی ہے' تو سوچئے کہ الفاظ قرآنی "ان پر ذلت اور مسکنت مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے" کے مصداق اس وقت ہم نام نہاد مسلمان ہیں' یا یہود؟

ذرا غور فرمایئے کہ یہودی اس وقت پوری دنیا میں کل چودہ ملین یعنی لگ بھگ ڈیڑھ کروڑ ہیں جبکہ مسلمانوں کی تعداد کم از کم تیرہ سو ملین یعنی ایک ارب تیس کروڑ ہے۔ گویا مسلمان یہودیوں سے تعداد میں تقریباً سو گنا زیادہ ہیں۔ اس کے باوجود اس وقت کرۂ ارضی کی سیاسی قسمت بالفعل یہود کے ہاتھ میں ہے اس لئے کہ وہ علامہ اقبال کے قول ع "فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے!" کے مصداق وقت کی "واحد سپریم پاور" یعنی ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی سیاست' معیشت اور ثقافت' سب پر پوری طرح قابض اور قابو یافتہ ہیں اور امریکہ کا صدر ہو یا سینٹ' اور کانگریس ہو یا پینٹاگون' سب ان کے اثر و رسوخ اور بالخصوص ذرائع ابلاغ پر ان کے کنٹرول کے آگے بے بس ہیں۔ دوسری طرف سونے چاندی کی بجائے کاغذی کرنسی کے رواج اور بینک' انشورنس اور سٹاک ایکسچینج کے شیطانی جال پر تسلط کے ذریعے اس وقت دنیا کی دولت کے بڑے حصے پر یہود کا قبضہ ہے۔ چنانچہ ایک جانب ان میں بیسیوں افراد ایسے موجود ہیں جو کئی کئی بلین ڈالر کا ایک ایک چیک جاری کرسکتے ہیں' تو دوسری جانب عالمی اقتصادیات کا لیور یا ہینڈل ان کے ہاتھ میں ہے کہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں مالی بحران پیدا کرکے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو ریزہ ریزہ کردیں۔ (سوویٹ یونین کا یہ حشر تو سامنے کی بات ہے ہی' جیسے ہی صیہونیوں نے محسوس کیا کہ امریکہ ان کی راہ میں رکاوٹ بن رہا ہے' وہ آناً فاناً یہی معاملہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے ساتھ بھی کرسکتے ہیں' اور غالباً وہ وقت اب زیادہ دور بھی نہیں ہے۔ واللہ اعلم!)

یہود کا یہ سیاسی اور معاشی اثر و نفوذ تو ذرا پس پردہ اور عام لوگوں کی نگاہوں سے مخفی ہے' لیکن امتِ مسلمہ سے تقابل کے اعتبار سے یہ حقیقت تو اظہر من الشمس ہے کہ عالم اسلام' خصوصاً عالم عرب کے سینے میں اسرائیل کا خنجر بالفعل پیوست ہے۔ (واضح رہے کہ دریائے اردن کے مغربی کنارے' گولان کی سطح مرتفع اور غزہ کی پٹی سے قطع نظر جس پر ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اسرائیل قابض ہوا' ۱۹۴۸ء میں جو ابتدائی اسرائیل وجود میں آیا تھا اس کی صورت واقعتاً بالکل خنجر کی سی ہے!) اس پر مستزاد یہ کہ دیکھنے والی نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ "وسیع تر اسرائیل" بھی بالقوہ وجود میں آچکا ہے۔ اس لئے کہ دنیائے اسلام بالخصوص عالم عرب میں کوئی طاقت ایسی موجود نہیں ہے جو اس کے قیام کی راہ میں مزاحم ہوسکے! (یہ بالکل دوسری بات ہے کہ صیہونیوں کی اپنی حکمت عملی ابھی اپنے آخری اقدام کے ضمن میں قدرے تاخیر کی متقاضی ہوا)۔

اس کے بالکل برعکس صورت حال مسلمانوں کی ہے کہ تعداد میں سوا ارب سے زائد ہونے کے باوجود ع "کس نمی پرسد کہ بھیا کیستی" کے مصداق بین الاقوامی سطح پر ان کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں۔ سارے عالمی معاملات 7۔G یا زیادہ سے زیادہ 15۔G طے کرتے ہیں اور بین الاقوامی مسائل میں سارے

اقدامات کا فیصلہ یو این او اور اس کی سیکورٹی کونسل کے پردے میں صرف امریکہ اور اس کے چند حواری (بالخصوص انگلستان اور فرانس) کرتے ہیں۔ ہمارے بڑے بڑے ملکوں اور بڑی شان و شوکت کی حامل حکومتوں کے جملہ معاملات بھی کہیں اور طے ہوتے ہیں' ہماری داخلی اور خارجی حکمت عملی کہیں اور بنتی ہے' یہاں تک کہ ملکی بجٹ اور ٹیکسوں کے ضمن میں "ہدایات" باہر سے آتی ہیں' مزید برآں ہمارے وسائل پر بالفعل اغیار کا قبضہ ہے اور ہمارے دولتمند ترین ملکوں کی تمامتر دولت بھی اصلاً غیروں کے دستِ اختیار میں ہے کہ اگر ذرا ان کی مرضی کے خلاف ادنیٰ جنبش بھی کریں تو چشم زدن میں ان کی کل دولت اور سرمایہ کو "منجمد" کر کے گویا صفر بنا کے رکھ دیں۔ الغرض ہماری کیفیت اس وقت بالکل وہی ہے جس کا نقشہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک حدیث مبارک (رواہ احمد و ابو داؤد عن ثوبانؓ) میں کھینچا تھا کہ "مجھے اندیشہ ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ نہایت کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود تمہاری حیثیت سیلاب کے ریلے کے اوپر کے جھاگ سے زیادہ نہیں رہے گی"

> "سونے چاندی کی بجائے کاغذی کرنسی کے رواج اور بینک' انشورنس اور سٹاک ایکسچینج کے شیطانی جال پر تسلط کے ذریعے اس وقت دنیا کی دولت کے بڑے حصے پر یہود کا قبضہ ہے"

ان "لطیف" حقائق پر مستزاد یہ تلخ واقعات تو نگاہوں کے عین سامنے موجود ہیں کہ مغرب ہو یا مشرق' اس وقت ساری دنیا میں مسلمان شدید ترین مصائب و آلام سے دوچار ہیں۔ چنانچہ مشرق میں بھارت اور کشمیر' اور مغرب میں بوسنیا ہرزیگووینا تو بالفعل ع "ہوگیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو" کا نقشہ پیش کر ہی رہے ہیں' باقی عالم اسلام بھی یا افغانستان اور تاجکستان کی طرح خانہ جنگی کے عذاب میں مبتلا ہے یا سورۃ النحل کی آیت ۱۱۲ میں وارد شدہ الفاظ "لِبَاسَ الْخَوفِ وَالْجُوعِ" کے مطابق بھوک اور خوف کے لباس میں ملبوس نظر آتا ہے' اور جہاں بظاہر ان دونوں میں سے کوئی صورت موجود نہیں ہے بلکہ دولت کی ریل پیل اور عمارتوں کی شان و شوکت یورپ ہی نہیں امریکہ کا مقابلہ کرتی نظر آتی ہے وہاں بھی "ذلت و مسکنت" کی یہ صورت بہ تمام و کمال موجود ہے کہ بین الاقوامی سطح پر نہ عزت ہے نہ وقار' اور خود داخلی سطح پر بھی نہ حقیقی آزادی حاصل ہے نہ واقعی اختیار۔ چنانچہ ایک جانب "ذلت" کی انتہا یہ ہے کہ مغرب کے اخبارات و جرائد میں ان دولتمند ترین مسلمانوں کا تذکرہ بالعموم تمسخر اور استہزاء کے ساتھ ہوتا ہے' تو دوسری جانب "مسکنت" اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ بھارت میں بابری مسجد کے گرائے جانے پر پچاس سے زائد نام نہاد مسلمان حکومتوں میں سے کسی ایک کو بھی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ بھارت کی حکومت سے یہ ہی کہہ سکتی کہ اگر مسجد فی الفور دوبارہ تعمیر نہ کی گئی تو ہم سفارتی یا تجارتی تعلقات منقطع کرلیں گے۔ گویا عزت و وقار کے ساتھ ساتھ غیرتِ ملی کا جنازہ بھی نکل چکا ہے اور سوا ارب سے زیادہ افراد پر مشتمل عالمی ملت اسلامیہ اس وقت بالفعل ع "حمیت نام ہے جس کا گئی تیمور کے گھر سے" کا نقشہ پیش کررہی ہے' تو سوچئے کہ الفاظ قرآنی "ان پر ذلت اور مسکنت مسلط کردی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے" کے مصداق اس وقت ہم نام نہاد مسلمان ہیں' یا یہود؟

> "ہماری داخلی اور خارجی حکمت عملی کہیں اور بنتی ہے' یہاں تک کہ ملکی بجٹ اور ٹیکسوں کے ضمن میں "ہدایات" باہر سے آتی ہیں' مزید برآں ہمارے وسائل پر بالفعل اغیار کا قبضہ ہے"

آگے بڑھنے سے قبل اس خیال کے تحت کہ مبادا مایوسی اور بددلی کے سائے زیادہ گہرے ہوجائیں' اور مبادا کسی کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوجائے کہ قرآن کے بیان میں کسی شک یا شبہ کی گنجائش ہے' یہ حقیقت بیان کردینی ضروری ہے کہ موجودہ صورت حال مستقل نہیں عارضی ہے' اور مستقبل میں بالکل برعکس ہوجائے گی۔ چنانچہ قرآن حکیم میں قوموں اور امتوں کے عروج و زوال کے جو اصول اور عذاب الٰہی کا جو فلسفہ بیان ہوا ہے اور اس پر مستزاد احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں قرب قیامت کے جو حالات و واقعات اور یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے مابین آخری آویزش اور معرکہ آرائی کے ضمن میں جو پیشین گوئیاں وارد ہوئی ہیں ان کے مطابق یہود پر بہت جلد "عذابِ استیصال" یعنی جڑ سے اکھیڑ پھینکنے والا عذاب نازل ہوگا (اس اصطلاح کی وضاحت بعد میں ہوگی) اور وہ "عظیم تر اسرائیل" جس کے خواب وہ عرصے سے دیکھ رہے ہیں اگرچہ ایک بار قائم تو ہوجائے گا لیکن بالآخر وہی ان کا عظیم تر اجتماعی قبرستان بنے گا۔ دوسری جانب پورے کرۂ ارضی پر بالآخر امتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی حکومت قائم ہوگی اور اللہ کے دین کا بول بالا ہوگا' گویا موجودہ نیو ورلڈ آرڈر جو درحقیقت جیو ورلڈ آرڈر (یعنی یہودیوں کی بالادستی کا عالمی نظام) ہے بالآخر اسلام کے "جسٹ ورلڈ آرڈر" (Just World Order)- یعنی خلافت علیٰ منہاج النبوت کے عدل و قسط پر مبنی عالمی نظام میں تبدیل ہوکر رہے گا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> "اللہ نے مجھے پوری زمین کو لپیٹ کر (یا سکیڑ کر) دکھادیا۔ چنانچہ میں نے اس کے سارے مشرق بھی دیکھ لئے اور تمام مغرب بھی۔ اور یقین رکھو کہ میری امت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہوکر رہے گی جو مجھے لپیٹ کر (یا سکیڑ کر) دکھائے گئے۔"

اسی طرح مسند احمد ابن حنبل میں حضرت مقداد ابن الاسود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دنیا میں نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر رہے گا نہ کمبلوں کا بنا ہوا خیمہ جس میں اللہ اسلام کو داخل نہیں کردے گا' خواہ عزت والے کے اعزاز کے ساتھ خواہ کسی مغلوب کی مغلوبیت کی صورت میں"۔ یعنی یا لوگ اسلام قبول کرکے خود بھی عزت کے مستحق بن جائیں گے یا اسلام کی بالادستی تسلیم کرکے اس کی تابعداری قبول کرنے پر مجبور ہوجائیں گے!" لہٰذا ہم الصادق و المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات پر یقین کی بناء پر ایک جانب موجودہ عالمی نظام کے سربراہوں یعنی یہود اور نصاریٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ

"اور بھی دورِ فلک ہیں ابھی آنے والے
ناز اتنا نہ کریں ہم کو ستانے والے!"

اور دوسری جانب موجودہ معروضی حالات کے مطالعے اور مشاہدے کے باعث جب امید کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا محسوس ہو اور مایوسی کے سائے زیادہ گہرے ہونے لگیں تو

"سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے!"

اور

"نہ ہو نومید نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
امیدِ مردِ مومن ہے خدا کے راز دانوں میں!"

کے مصداق "دامانِ خیالِ یار" کی طرح دامنِ امید پر اپنی گرفت ازسرنو مضبوط کرسکتے ہیں۔ لیکن

"مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
ہر زماں پیشِ نظر لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَاد دار!"

کے مطابق اس آخری امید سے اپنے سینے کو آباد رکھنے کے ساتھ ساتھ دو اسباب کی بناء پر لازم ہے کہ ہم ان سوالات کے جواب قرآن کے فلسفہ و حکمت کی روشنی میں تلاش کریں کہ اس وقت

"ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں!"

کے مصداقِ کامل ہم مسلمان ہی کیوں بن گئے ہیں اور اس کا کیا سبب ہے کہ

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر!

اس لئے کہ ایک عام سادہ لوح مسلمان کی سوچ تو لامحالہ یہ ہے کہ ہم خواہ افعال و اعمال اور اخلاق و کردار کے اعتبار سے کتنی ہی پستی میں گر چکے ہوں' بہرحال کلمہ گو اور خاتم النبیین اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں اور "توحید کی امانت" کے حامل اور ؎ "ہر کہ عشقِ مصطفیٰ سامانِ اوست!" کے کسی نہ کسی درجہ میں مدعی ہیں۔ جبکہ یہود و نصاریٰ اور بقیہ جملہ اقوامِ عالم کھلم کھلا کافر و مشرک اور اللہ اور رسول کی صاف منکر و مخالف ہیں اور قرآن میں بار بار فرمایا گیا ہے کہ "اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔" ان سوالات پر قرآن و حدیث کی روشنی میں سنجیدگی سے غور ان اسباب کی بناء پر لازمی ہے کہ:

(۱) جیسے قرآن مجید میں بار بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا ہے کہ "لوگو! جس بات کی تمہیں خبر دی جارہی ہے یا جس عذاب کی وعید سنائی جارہی ہے میں نہیں جانتا کہ وہ قریب ہے' یا ابھی کچھ دور ہے" (جیسے مثلاً سورۃ الانبیاء کی آیت ۱۰۹ میں اور سورۃ الجن کی آیت ۲۵ میں) اسی طرح نہیں کہا جاسکتا کہ عذابِ استیصال کے ذریعے یہود کے خاتمے اور عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کے غلبے کا "انقلابِ عظیم" قریب آچکا ہے یا ابھی کچھ دیر تک موجودہ صورت ہی برقرار رہے گی۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر چونکہ احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ؏ "اور کچھ روز فضاؤں سے لہو برسے گا" کے مصداق ابھی موجودہ صورت حال مزید گھمبیر ہوگی اور امت مسلمہ پر عذاب الٰہی کے مزید اور شدید تر کوڑے برسیں گے' للہٰذا ضروری ہے کہ موجودہ صورت حال کے اسباب اور قرآن کے فلسفہ عذاب کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تاکہ سورۃ الشوریٰ کی آیت ۳۰ "اور جو مصیبت بھی تم پر نازل ہوتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کے باعث ہوتی ہے۔ اور اللہ بہت سی کوتاہیوں سے تو درگزر بھی کرتا رہتا ہے!" کے مطابق یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوجائے کہ یہ حالات و کیفیات ؏ "اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردہٗ تست!" کے مصداق ہماری اپنی بے عملی ہی نہیں بداعمالی کا نتیجہ ہیں تاکہ نہ ہم "ظَانِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ" (سورۃ الفتح: ۶) یعنی اللہ سے بدظنی کرنے والوں کے زمرے میں شامل ہوں نہ ہمارے دلوں میں اللہ سے کوئی شکوہ و شکایت پیدا ہو' بلکہ اپنی خطاؤں کے اعتراف کے ساتھ حقیقی پشیمانی اور خشوع و خضوع اور تضرع و اخبات کی کیفیات پیدا ہوں جو توبہ کی لازمی شرائط ہیں!

(۲) جیسے ہر جسمانی عارضے کے صحیح علاج کے لئے مرض کی صحیح تشخیص لازمی ہے اسی طرح ضروری ہے کہ امت کی موجودہ زبوں حالی کے اصل اسباب کا صحیح تعین کیا جائے تاکہ ہماری قوتیں اور توانائیاں اور وقت کی قیمتی متاع سطحی قسم کی تدابیر میں ضائع نہ ہوجائیں' بلکہ ہم صورت حال کی سنگینی کے صحیح ادراک اور امت کے مزمن اور پیچیدہ امراض کے گہرے اسباب و عوامل کا صحیح شعور حاصل کرکے ان کے مداوا اور معالجہ کے لئے صحیح اور مؤثر تدابیر اختیار کرسکیں اور اس تلخ حقیقت کے اعتراف کے ساتھ کہ اس وقت ہم بحیثیت امت عذاب الٰہی کی گرفت میں ہیں اس سے رستگاری کے حصول اور اللہ کے عفو و مغفرت کے دامن میں آنے کے لئے صحیح طریق کار پر عمل پیرا ہوسکیں۔

مدیر "ندائے خلافت" اقتدار احمد مرحوم کی پہلی باقاعدہ تصنیف

زبانِ یارِ من ترکی ...

اسلوبِ نگارش کے اعتبار سے ایک منفرد سفرنامہ
جو قاری کو جابجا دعوتِ فکر بھی دیتا ہے اور اسلام کی عظمتِ پارینہ کے حوالے سے خون کے آنسو بھی رلاتا ہے۔
جس میں دورانِ سفر پیش آنے والے واقعات کی صحیح صحیح منظر نگاری بھی ہے'
اور زبان و ادب کی چاشنی بھی!
جس میں حقائق کی نہایت عمدہ لفظی تصویر کشی ہی پر اکتفا نہیں کی گئی' ترکی کے قابلِ دید مقامات کی دیدہ زیب رنگین تصاویر بھی شامل کی گئی ہیں
جسے بجا طور پر حسنِ معنوی اور حسنِ ظاہری کا دلآویز مرقع قرار دیا جاسکتا ہے

عمدہ کمپیوٹر کتابت' نفیس طباعت' دبیز سفید کاغذ' خوشنما سرورق' مضبوط دیدہ زیب جلد
صفحات ۲۰۰' قیمت۔/۱۲۰ روپے
ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور

ایک تنکے کی ملکیت کا دعویٰ بھی کھلا شرک ہے!

قابل غور نکتہ یہ ہے کہ ۷۵ھ تک کوئی اسلامی سکہ نہ ڈھالا گیا تھا

ایک صاحب نے میری گفتگو سن کر فرمایا کہ تمہاری باتیں ایک یوٹوپیا سے زیادہ نہیں!

تحریر: محمد جعفر شاہ پھلواروی

عام طور پر زر' زن اور زمین کو فسادات کی جڑ بتایا جاتا ہے لیکن یہ درست نہیں۔ یہ سب چیزیں خدا کی نعمتیں ہیں۔ نعمت فساد کیسے ہو سکتی ہے؟ فساد دراصل وہ تصور ہے جو ان نعمتوں سے وابستہ ہوتا ہے اور اسی تصور کے زیر اثر انسان ان نعمتوں کو ایسے انداز سے استعمال کرتا ہے جو فساد پر منتج ہوتا ہے۔ اگر بہت زیادہ کھا کر درد شکم یا بدہضمی پیدا کرلی جائے تو اس میں کھانے کا کیا قصور ہے؟

جس تصور سے فساد فی الارض پیدا ہوتا ہے وہ صرف "تصور ملکیت" ہے۔ اگر کوئی شخص آپ کے گھر کے اندر بلا اجازت گھس کر اپنا بستر لگا لے تو آپ ہاتھاپائی شروع کر دیں گے اور اگر وہی شخص آپ کے ساتھ مسجد میں نماز ادا کرے یا پارک کی سیر کرے یا سڑک پر ٹہلے تو کوئی جھگڑا فساد نہیں ہو گا۔ آخر یہ فرق کیوں ہے؟ صرف اس وجہ سے کہ آپ کے گھر کے ساتھ ملکیت کا تصور وابستہ ہے۔ مسجد' پارک اور سڑک کے ساتھ ذاتی ملکیت کا کوئی تصور چپکا ہوا نہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ خدا اس فساد انگیز تصور کو اپنے دین میں باقی رہنے دیتا۔ لہٰذا اس نے سب سے پہلا وار تصور ملکیت ہی پر کیا کہ ان الارض للہ --- زمین --- لہٰذا زمین کی تمام پیداوار' یعنی اس کی پروڈکشنز بھی اللہ کی ملکیت ہیں۔ اور انسان! وہ ان تمام نعمتوں کا امین یعنی کسٹوڈین ہے۔ امین مالک نہیں ہوتا۔ اس کا کام صرف اتنا ہے کہ اصل مالک جس کو جتنا دلوائے' دے دے۔ کیا دے؟ العفو۔ اپنی ضروریات سے جو فاضل ہو۔ ضروریات کیا ہیں؟ وہ معیار زندگی جو دوسرے سے بلند تر نہ ہو۔ اس لئے دولت کسی شکل میں جمع کرنا ممنوع ہے۔ حیرت ہے کہ اللہ کو رب' خالق' رزاق' حی سب کچھ مانا جاتا ہے لیکن مالک ماننے میں معلوم نہیں کیوں تامل ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح اللہ کے سوا کسی کو رب' رازق' خالق وغیرہ ماننا شرک ہے' ٹھیک اسی طرح ایک تنکے کی ملکیت کا دعویٰ بھی کھلا ہوا شرک ہے۔ مکے کے مشرکین اللہ کو سب کچھ مانتے تھے۔ بس فقط مالک ماننے میں تامل تھا کیونکہ اس صورت میں اپنی تمام ملکیتوں سے دست بردار ہونا پڑتا تھا' اور مال و دولت کی محبت یہ گوارا نہیں کرتی کہ اسے دوسرے حاجت مندوں کے لئے بھی کھلا رکھا جائے۔ قرآن نے اسی لئے واضح طور پر تصور ملکیت کو یوں کہہ کر ختم کر دیا ہے کہ "اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا ہے..." مشرک اور مومن کا فرق یہاں آکر واضح ہو جاتا ہے۔

تصور ملکیت ختم کرنے کے بعد فساد کی دوسری جڑ کو بھی ختم کرنا ضروری ہے اور وہ ہے سکہ (currency) خصوصاً وہ سکہ جو سونے چاندی کو معیار بناتا ہے۔ سونے چاندی کا اکتناز بھی حرام ہے کیونکہ یہی دونوں سکہ بن کر ضمیر' ایمان' عصمت اور ووٹ کو خرید لیتے ہیں۔ یہاں دو نکتوں پر غور کیجئے اگر دولت جمع کرنا مباح تھا' اسی طرح جس طرح تعدد ازدواج تو کیا وجہ ہے کہ مصلح اعظم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مباح پر تو اتنا عمل کیا کہ ان کی تعداد بیک وقت نو تک پہنچ گئی لیکن دوسرا مباح اتنا ناقابل اعتنا تھا کہ چار درہم و دینار بھی نہ رکھے اور دو دن کے لئے بھی نہ رکھے؟ دوسرا قابل غور نکتہ یہ ہے کہ ۷۵ھ تک کوئی اسلامی سکہ نہ ڈھالا گیا تھا۔ نہ حضورؐ کو اس کا خیال آیا نہ خلفائے راشدین نے اس کی کوئی ضرورت محسوس کی۔ آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے!

ہر حکومت اپنا جھنڈا' اپنا سکہ سب سے پہلے الگ بناتی ہے۔ آغاز اسلام میں سب کچھ الگ کیا گیا لیکن کوئی الگ سکہ نہ بنایا گیا۔ یمن میں ٹکسال موجود تھا اسی سے کام لیا جا سکتا تھا۔ مہریں' تلواریں' نیزے' زرہیں' کپڑے' کاغذ' قالین وغیرہ سب کچھ بن سکتا تھا۔ سکے نہیں بن سکتے تھے؟ ہمارے نزدیک اس کا صرف ایک سبب تھا۔ یعنی حضورؐ کرنسی کے رواج ہی کو ختم کرنا چاہتے تھے اسی راہ پر امت کو لگایا۔ مگر امت نے اس کو جلد ہی ختم کر دیا اور آخر وہی دور لوٹ آیا جو ملوکیت اور سرمائے داری کا نظام لانا چاہتا تھا۔

خوشحال معاشی زندگی کے دو ہی سرے ہیں۔ محنت اور زمین۔ زمین سے تمام ضروریات زندگی پوری ہوتی ہیں اور ان ضروریات کو عالم شہود پر لانے والی شے انسانی محنت ہے۔ سوال یہ ہے کہ محنت اور زمین کے بیچ میں یہ بدبخت کرنسی کدھر سے گھس آئی۔ کس نے اسے درمیان میں گھسنے کا موقع دیا؟ کیوں موقع دیا؟ اور امت نے اسے کیوں قبول کرلیا؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ تمام افراد مل کر اپنی صلاحیتیں اور محنتیں پیداوار کے لئے وقف کر دیں اور کسی کرنسی کے بغیر ہر شخص اس پیداوار سے مستفید ہو۔ یہ بالکل ممکن ہے مگر سن لیجئے کہ دل سے ماننے کے باوجود اسے خلاف اسلام بھی بتایا جائے گا اور ناممکن العمل بھی کیوں؟ یہ آپ ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ یعنی اس صورت میں سرمائے داری کی ربوبیت نہیں قائم رہے گی۔

خلاصہ ان تمام باتوں کا یہ ہے کہ دو چیزوں کے خاتمے پر دنیا کا امن موقوف ہے۔ ملکیت اور کرنسی اگر کرنسی نہ رہے تو تمام استحصالات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ ایک صاحب نے میری گفتگو سن کر فرمایا کہ "تمہاری باتیں صرف ایک یوٹوپیا ہے۔ کیونکہ کرنسی نہ کبھی ختم ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ لاکھوں پیغمبر آئے لیکن شرک و بت پرستی نہ کبھی ختم ہوئے نہ ہو سکتے ہیں۔ تاہم ہمارا نصب العین اسے مٹانا ہی رہے گا۔ نصب العین ہی انسانی کردار اور نظام زندگی کا رخ متعین کرتا ہے۔ اسی طرح دنیا میں ہزاروں جنگیں ہوئیں اور ہوتی رہیں گی لیکن ہمارا نصب العین جنگ نہیں' امن کا ہے؟

(ہفت روزہ "الجلیل" لاہور ۲۹ مارچ ۱۹۷۰ء)

جدید ترکی عالمِ اسلام کی بجائے اپنے آپ کو یورپ کا حصہ شمار کرتا ہے

یروشلم کی حد تک مصالحانہ رویّہ اختیار کر کے باقی فلسطین کو بچایا جا سکتا تھا

مسلم ممالک میں اسلامی تحریکوں کے آغاز سے امت سرکاری اور غیر سرکاری حصوں میں بٹ گئی

تحریر : عمران ابن حسین

اقصیٰ اسلامی کانگرس یروشلم، دسمبر ۱۹۳۱ء

۱۹۲۶ء میں قاہرہ اور مکہ میں منعقد ہونے والی دو کانفرنسوں کے بعد ہند۔ فلسطین کوشش کے نتیجے میں دسمبر ۱۹۳۱ء میں یروشلم میں اقصیٰ اسلامی کانگرس منعقد ہوئی۔ اگرچہ مذکورہ بالا دونوں کانفرنسوں کو منعقد ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اس کے باوجود ایک نئی اسلامی کانگرس کی تجویز موجود تھی۔ مفتی اعظم فلسطین، امین الحسینی ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۱ء کے دوران یہودیوں کی فلسطین میں پیش قدمی کو اسلام کے لئے خطرہ کا باعث سمجھتے تھے جس کا مقابلہ سارے مسلمان مل کر ہی کر سکتے تھے۔ اس وقت تک مسلمان اپنی سادہ لوحی کے باعث اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ اس کانگرس کی وساطت سے اسلام کو درپیش خطرے کا حل دریافت کر لیا جائے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ عالم اسلام ایسے اصحابِ دانش سے محروم ہو چکا تھا جو امن و انصاف اور آزادی کے لئے طاقت کی اہمیت کے قرآنی تصور سے آگاہ ہوں۔

اگست ۱۹۲۹ء میں مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان یروشلم میں دیوارِ گریہ کے جھگڑے پر فسادات ہوئے تو لیگ آف نیشنز نے معاملے کی تحقیقات کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا جس نے یہ رپورٹ دی کہ دیوارِ گریہ ملکیت تو مسلمانوں کی ہے مگر اس سے قبل یہ عبادت گاہ یہودیوں کے لئے تھی۔ یہ رپورٹ نہ تو مسلمانوں کو خوش کر سکی اور نہ ہی یہودیوں کو، لہٰذا ایک اسلامی کانفرنس کی ضرورت محسوس ہوئی جو اس مسئلے کا اصل حل تجویز کرے۔

۱۹۳۱ء کے اوائل میں ہندوستانی مسلمان راہنما، مولانا محمد علی جوہر کی حرم شریف، یروشلم میں تدفین کے موقع پر ان کے بھائی مولانا شوکت علی اور امین الحسینی کے درمیان ایک کانفرنس بلانے کی ضرورت پر اتفاق ہو گیا تھا۔ چند ماہ بعد دیوار گریہ کے مسئلے پر کمیشن کی رپورٹ منظر عام پر آئی تو فلسطین کے مسلمانوں کی سپریم کونسل نے مجوزہ کانفرنس بلانے کا اعلان عام کیا اور مولانا شوکت علی نے ۴ ستمبر ۱۹۳۱ء کو مسجد اقصیٰ میں نماز ظہر کے بعد خطاب کرتے ہوئے کانفرنس منعقد کرنے پر اتفاق رائے اور اس کے لئے تاریخ کا باضابطہ اعلان کیا اس سے عالم اسلام میں ہندوستانی مسلمانوں کی حیثیت اور قائدانہ صلاحیت ابھر کر سامنے آئی۔

تاریخ اور مقام

اقصیٰ کی اسلامی کانفرنس یروشلم میں ۶ تا ۱۶ دسمبر بمطابق ۲۷ رجب تا ۷ شعبان ۱۹۳۱ء منعقد ہوئی۔ اسلامی کیلنڈر کا حوالہ اس لحاظ سے اہم تھا کہ مسجد الاقصیٰ میں افتتاحی اجلاس کے لئے ۲۷ رجب کا (معراج النبیؐ کے حوالے سے) خاص طور پر انتخاب کیا گیا تھا۔

خلافت کانفرنس مصر میں ہوئی تھی جو برائے نام سہی ایک آزاد ملک تو تھا، اگرچہ اس کی اصل حقیقت انگریز کے ایک حاشیہ بردار ملک کی تھی۔ اسی طرح عالمی مسلم کانفرنس حجاز میں ہوئی وہ بھی بظاہر آزاد مگر حقیقت کے اعتبار سے انگریز کا آلہ کار تھا۔ جبکہ اقصیٰ اسلامی کانفرنس ایک ایسے خطے میں ہو رہی تھی جس پر براہ راست برطانیہ کی حکمرانی تھی۔ ۱۹۲۶ء میں یہ بات کہنا آسان نہ تھا کہ مصر یا حجاز کی اصل حیثیت بھی دارالحرب کی ہے۔ ایک طرف جہاں اس میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں تھی کہ ان ہر دو ممالک کے لئے برطانیہ کی رضامندی کے بغیر کوئی بھی قدم اٹھانا ناممکن تھا دوسری طرف اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ظاہری طور پر آزاد ملک تھے لیکن برطانیہ کے قبضے کے بعد فلسطین کے دارالحرب ہونے میں تو کسی کو شک نہیں ہو سکتا تھا۔ اور یقیناً یہ ایک غیر معمولی بات تھی کہ عالم اسلام ایک دارالحرب میں کانفرنس منعقد کرنے کے لئے جمع ہو رہا تھا اس لحاظ سے یہ ایک ایسا منفرد واقعہ تھا جس کی مثال پوری اسلامی تاریخ میں ملنا مشکل تھی۔

برطانوی حکومت کے لئے یہ ایک نادر موقعہ تھا چنانچہ اس کی طرف سے اس کانفرنس کا خیر مقدم کیا جانا یقینی بات تھی۔ عالم اسلام خود ہی دارالاسلام کو چھوڑ کر دارالحرب میں جمع ہو رہا تھا چنانچہ برطانیہ نے صرف اپنے ہائی کمشنر کے ذریعے امین الحسینی کو اس انتباہ پر اکتفا کیا کہ ان کی حکومت ایسی کوئی کانفرنس منعقد کرنے کی اجازت نہیں دے گی جس میں ایسے سوالات اٹھائے جائیں جن سے دوست ممالک کے خارجی اور داخلی معاملات پر زد پڑ سکتی ہو۔

صہیونی پریس نے ردعمل کے طور پر کانگرس کے انعقاد پر شدید اندیشے کا اظہار کیا اور برطانوی حکومت پر الزام عائد کیا کہ یہ کانفرنس اس کی شہ پر ہو رہی ہے اور وہ فلسطین اور ہندوستان کے مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے صہیونی تحریک کو کمزور کرنا چاہتی ہے۔

کئی لوگوں کی طرف سے بڑے زور شور سے یہ چرچا کیا گیا کہ کانگرس عبدالحمید کو بطور خلیفہ یروشلم

> "ڈاکٹر محمد اقبال نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے خبردار کیا کہ اسلام کو اصل خطرہ صیہونیت اور سامراجی طاقتوں سے نہیں بلکہ ملحدانہ مادہ پرستی اور وطن پرستی سے ہے"

میں لا بٹھائے گی۔ اس قسم کی کسی کوشش سے انگورہ (اب انقرہ) میں موجود حکومت کمزور ہوتی اور برطانیہ اپنی زیر سرپرستی یروشلم میں خلیفہ کے قیام کا خیر مقدم کرتا اور اس سے کئی گنا مفاد حاصل کرتا۔

وفود

کانگرس خاصے کھلے ماحول میں منعقد ہوئی، سوائے لیبیا کے بارے میں اٹلی کی پالیسی پر شدید تنقید کی بنا پر مصر کے عبدالرحمٰن عظام کے اخراج کے فلسطین میں برطانوی حکام نے کانگرس میں کسی قسم کی مداخلت یا حاضرین پر پابندی عائد نہ کی۔ کانگرس میں فارس (بعض شیعہ علماء)، ہندوستان (جس کے وفد میں عظیم مسلم دانش ور اور مفکر ڈاکٹر محمد اقبال بھی موجود تھے) یوگوسلاویہ، مراکو، الجیریا، تیونس، لیبیا، شام اور نائیجیریا سے وفود تشریف لائے۔ مصری حکومت نے اگرچہ سرکاری طور پر اپنا وفد نہ بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن اس کے باوجود بادشاہ کی تائید کرنے کے لئے غیر سرکاری مصری وفود موجود تھے۔ مصری وفد پارٹی کی نمائندگی کرنے والے وفد نے ان کی مخالفت کی۔ اس کے علاوہ مصر کی متعدد اسلامی تحریکوں کے نمائندوں نے بھی شرکت کی۔ عراق اور شرق اردن کی حکومتوں نے اپنے سرکاری وفود بھیجے۔ سعودی حکمران، عبدالعزیز ابن سعود نے پس و پیش سے کام لیتے ہوئے یہ ہوشیاری کی کہ اپنا جو نمائندہ بھیجا وہ بروقت شمولیت کے لئے یروشلم ہی نہ پہنچ پایا۔ ترکی اور افغانستان نے شرکت سے معذوری ظاہر کردی۔ چنانچہ جولائی ۱۹۲۶ء کی مکہ کانفرنس کے مقابلے میں یروشلم کانفرنس میں سرکاری وفود کی شمولیت انتہائی کم رہی۔

> ”ان کانفرنسوں کے حسرتناک انجام کے بعد ۱۹۳۰ء کی دہائی کے نصف تک وہ جذبہ تقریباً ماند پڑ چکا تھا اور کسی میں یہ دم خم باقی نہ رہا تھا کہ وہ عالم اسلام کو منظم کرنے کی نئے سرے سے کوئی کوشش کرسکے“

کانگرس کی کارکردگی

مسجد اقصیٰ میں ۲۷ رجب کو مغرب کی نماز کے بعد کانگرس کے رسمی افتتاحی اجلاس میں آٹھ کمیٹیاں مقرر کی گئیں جن کے ذمے ذیل کے امور کا جائزہ لے کر رپورٹ پیش کرنے کا کام لگایا گیا۔

کانگرس کا دستور
کانگرس کی نشرواشاعت اور طباعت
مالیات اور تنظیم
مسلم ثقافت اور الاقصیٰ کی مجوزہ اسلامی یونیورسٹی
حجاز ریلوے
مقامات مقدسہ اور دیوار گریہ

کانگرس کے سامنے پیش کردہ تجاویز

۱۹۲۶ء کی مکہ کانگرس کی طرح یروشلم کانگرس نے بھی اپنا ایک دستور یا منشور اختیار کر لیا۔ مکہ کانگرس کے دستور میں مکہ میں ہر سال ایک اجلاس بلانے کا طے کیا گیا تھا یروشلم کے دستور میں سال میں دو مرتبہ یروشلم میں اجلاس طلب کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ مکہ کی طرح یروشلم میں بھی ایک چھوٹا سا سکرٹریٹ قائم کیا گیا یروشلم سکرٹریٹ چند سال کام کرتا رہا مگر کانگرس کا اس کے بعد کوئی اجلاس نہ ہونا تھا نہ ہوا۔

کانگرس نے یروشلم میں ایک اسلامی یونیورسٹی تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسلامی تعلیم کے لئے الازہر یونیورسٹی کو چونکہ عالم اسلام میں ایک منفرد حیثیت حاصل تھی لہٰذا اس کی طرف اس فیصلے کا خیر مقدم نہ کیا جانا قدرتی بات تھی، لیکن کانگرس کے سامنے اہم مسئلہ بہرحال فلسطین میں لاحق صیہونی خطرے کا تھا۔ اس ضمن میں کانگرس کا نقطہ نظر اور رویہ بلاشبہ خاصا وسعتِ نظری اور حقیقت پسندی پر مبنی تھا۔ یہودی ایجنسی کے صدر مسٹر سوکولو (Sokolo) کو دعوت دی گئی کہ وہ آکر کانگرس کے سامنے صیہونی موقف پیش کریں مگر اس نے مولانا شوکت علی کی یہ پیشکش قبول کرنے سے انکار کر دیا بلکہ صیہونی پریس میں الٹا کانگرس کا مذاق اڑایا گیا اور اس کی تضحیک کی گئی۔

صیہونیوں کے اس گروہ کی نسبت ایک دوسرے گروہ نے جس نے ہیبریو یونیورسٹی قائم کی تھی بہتر طرز عمل کا مظاہرہ کیا۔ مؤخرالذکر گروہ نے برطانیہ پر تو دوسرے صیہونیوں کی طرح بڑھ چڑھ کر تنقید کی کہ اس نے فلسطین میں ایسی کانگرس منعقد کرنے کی اجازت کیوں دی ، لیکن کانگرس کا ذکر کرنے میں محتاط انداز اختیار کیا۔ البتہ یروشلم کے پرانے رہنے والے کٹر یہودیوں نے جن کا صیہونیت کے ساتھ گہرا تعلق نہ تھا، کانگرس کا خیر مقدم کیا اور اس کی کامیابی کے لئے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ یہودیوں کا نہ تو مقامات مقدسہ پر کوئی دعویٰ ہے اور نہ ہی ان قبضہ جمانا چاہتے ہیں لیکن کانگرس کو بھی چاہیئے کہ دیوار گریہ پر عبادت کی قدیم یہودی رسم کی راہ میں رکاوٹ پیدا نہ کرے۔

کانگرس نے اس کے جواب میں یہ کارنامہ انجام دیا کہ دیوار گریہ کے بارے میں لیگ آف نیشنز کے مقرر کردہ کمیشن کی وہ رپورٹ مسترد کردی جس میں دیوار گریہ پر مسلمانوں کی ملکیت اور اس پر یہودیوں کے عبادت کرنے کا حق تسلیم کیا گیا تھا اس طرح کانگرس نے صیہونیت کے خلاف جدوجہد میں کٹر یہودیوں کے ہاتھ مضبوط کرنے کی بجائے الٹا انہیں بھی اپنے خلاف کر لیا، کانگرس نے لیگ آف نیشنز سے فلسطینی مسلمانوں کے حقوق میں دخل اندازی پر احتجاج کرتے ہوئے اسے یاد دلایا کہ پہلی جنگ عظیم میں عربوں نے اتحادیوں کا ساتھ دیا تھا۔ کانگرس نے خبردار کیا کہ حکمرانی کا یہ مطلب نہیں کہ عربوں کو محکوم بنا کر ان کے حقوق پامال کئے جائیں۔ کانگرس نے یہودیوں کے فلسطین میں آکر آباد ہونے اور وہاں زمین اور جائداد خریدنے پر کوئی اعتراض نہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ کانگرس نے یہودیوں کے فلسطین میں آباد ہونے اور جائدادیں خریدنے کا حق تسلیم کر لیا تھا تاہم فلسطین میں یہودیوں کی قومی ریاست قائم کرنے کے صیہونی منصوبے کا توڑ کرنے کے لئے کانگرس نے ایک زرعی بنک قائم کرنے کی تجویز منظور کی جو کسانوں اور کاشتکاروں کو مالی امداد فراہم کرے گا تاکہ فلسطینی مسلمان اپنی زمینیں صیہونیوں کے ہاتھ فروخت کرنے پر مجبور نہ ہوں۔

کانگرس نے صیہونی خطرے کے جواب میں انسان دوستی اور مذہبی رواداری پر مبنی طرز عمل اختیار کیا جو عرب قوم پرستی کے تصور کے بالکل برعکس تھا۔ کانگرس نے درحقیقت عرب نیشنلزم کے دباؤ کے برخلاف ایک متوازن اور انسانیت پرستانہ موقف اختیار کرنے کی کوشش کی جس پر عرب قوم پرستوں نے کانگرس کے دوران اپنا الگ موقف اختیار کیا جسے ممکنہ حد تک یہودیت کا ایک منہ توڑ جواب کہا جا سکتا تھا اس طرح کانگرس کے موقف میں جو کمی تھی اسے پورا کرنے کی کوشش کی گئی تاہم کانگرس اسلامی جذبے کے تحت ان یہودیوں کو ساتھ ملا کر جو صیہونیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے زیادہ قریب تھے ایک مشترک موقف اختیار کرنے میں ناکام رہی۔ قرآن نے یہودیوں اور دوسرے غیر مسلموں کے ساتھ ایسے تعلقات قائم کرنے سے یقیناً منع فرمایا ہے

جن سے مسلمانوں کو کم تر حیثیت اختیار کرنی پڑے لیکن برابری کی سطح پر ایک مشترکہ محاذ یا اتحاد قائم کرنے پر کوئی پابندی نہیں۔

خاص طور سے مایوس کن بات یہ تھی کہ کانگرس عین یروشلم کے مقدس شہر میں بیٹھ کر عالم اسلام کو درپیش مشکل حالات کو صحیح طور نہ جانچ سکی چہ جائیکہ جرأت اور دانش مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کوئی مربوط اور مؤثر حکمت عملی طے کرتی تاکہ اسلام کو پہنچنے والے نقصانات کو کم کیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر یہ دیکھا جاتا کہ آیا اسلام کی رو سے یروشلم کو مسلمانوں' یہودیوں اور عیسائیوں' تینوں کی مشترکہ تحویل میں دیا جانا ممکن ہے۔ اگر ایسا کوئی سمجھوتہ ہو جاتا تو اسے بنیاد بنا کر لیگ آف نیشنز کے ذریعے یروشلم کو برطانوی تسلط سے آزاد کرانے کی کوشش کی جاتی۔ اس سمجھوتے میں دیوار گریہ کو بھی شامل کیا جا سکتا تھا۔ اس طرح کی حکمت عملی اختیار کرنے سے صیہونی عزائم کو ناکام بنانے میں مدد ملتی۔ اس بات کا امکان تھا کہ یروشلم میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے ساتھ مصالحت کے حق میں یہودیوں کی طرف سے ایک زبردست آواز بلند ہوتی۔ یروشلم کی حد تک مصالحانہ رویہ اختیار کر کے باقی فلسطین کو بچایا جا سکتا تھا۔ جہاں تک صیہونیوں کا تعلق ہے ان کے لئے بالآخر یروشلم کی یہ حیثیت قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا اور ایک یہودی قومی ریاست قائم کرنے کا ان کا منصوبہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچتا۔

> "پاکستان کے قیام کے لئے لڑی جانے والی نظریاتی جنگ کی کامیابی نے اس ملک کو ایک حقیقی اسلامی مملکت (دارالاسلام) بنانے کی راہ ہموار کر دی تھی"

کانگرس میں گرما گرم اور پرجوش سیاسی بحث مباحثے کے درمیان ایک آواز ایسی بھی اٹھی جو بلاشبہ ایک مدبر اور دانا انسان کی آواز تھی۔ ڈاکٹر محمد اقبال نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے خبردار کیا کہ اسلام کو اصل خطرہ صیہونیت اور سامراجی طاقتوں سے نہیں بلکہ ملحدانہ مادہ پرستی اور وطن پرستی سے ہے' اگر اس کا مقابلہ نہ کیا گیا تو اسلام کا زوال سے دوچار ہونا ناگزیر ہے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ اقبال اسلامی تہذیب کو درپیش عظیم خطرات کو دیکھ رہے تھے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک ان کے سامنے نظام اسلام کی تجدید اور وحدت اسلامی کی جانب پیش رفت کا کوئی واضح تصور موجود نہ تھا جس سے کہ تاریخ کے اس نازک موڑ پر امت کو ایک واضح راہنمائی ملتی۔

کانگرس کے بعد

کانگرس نے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی منتخب کی جس نے ایک سال تک بڑی عمدگی سے کام کیا' مختلف ممالک میں تنظیم کی شاخیں قائم کی گئیں اور ان شاخوں کے نمائندے فنڈ جمع کرنے کے لئے ذرائع کی تلاش اور اس کا طریقہ کار وضع کرنے کے لئے اگست ۱۹۳۲ء میں یروشلم میں جمع ہوئے۔ ۱۹۳۳ء میں امین الحسینی اور طباہ پاشا (Altabah Pasha) فنڈ جمع کرنے کے لئے ہندوستان اور عراق کے دورے پر نکلے مگر انہیں کامیابی حاصل نہ ہو سکی لہٰذا نہ یونیورسٹی قائم ہوئی اور نہ کسانوں کی امداد کے لئے زرعی بنک کا قیام عمل میں آیا۔ اگلی کمیٹی جسے دستور کی رو سے نومبر ۱۹۳۳ء میں اپنی جگہ لینا تھی' سرے سے قائم ہی نہ ہو سکی۔ سوائے اعلیٰ سطحی کمیٹی کی ۱۹۳۴ء میں ایک تصادم' ثالثی' کے سلسلے میں وقتی گہما گہمی اور ۵۰ کی دہائی میں تھوڑے عرصے کے لئے منظر عام پر آنے کے' الاقصیٰ اسلامی کانگرس بھی طبعی موت سے ہمکنار ہو گئی۔

کانگرس نے ۱۹۳۱ء میں یروشلم میں جو سیکرٹریٹ قائم کیا تھا وہ دوسری جنگ عظیم تک کام کرتا رہا۔ تاہم زمانہ جنگ کی سختی اور امین الحسینی اور برطانیہ کے درمیان براہ راست تصادم سے نبرد آزما ہونا اس کے بس میں نہ تھا۔ امین الحسینی جنگ شروع ہونے پر مصر چلے گئے۔ الاقصیٰ اسلامی کانگرس اور ۱۹۲۶ء کی عالمی مسلم کانگرس کی ناکامی کے اسباب تقریباً ایک جیسے تھے۔ ۱۹۲۶ء اور ۱۹۳۱ء کی اسلامی کانفرنسوں کے پیچھے جو جذبہ کار فرما تھا' ان کانفرنسوں کے حسرتناک انجام کے بعد ۱۹۳۰ء کی دہائی کے نصف تک وہ جذبہ تقریباً ماند پڑ چکا تھا اور کسی میں یہ دم خم باقی نہ رہا تھا کہ وہ عالم اسلام کو منظم کرنے کی نئے سرے سے کوئی کوشش کر سکے۔

مکہ اور یروشلم کے افتتاحی اجلاسوں کے بعد سالانہ اجلاسوں کے عدم انعقاد کی ایک وجہ ان کانفرنسوں کے انتظامی ڈھانچے میں پائی جانے والی ایک خاص کمزوری تھی۔ پرانے عالم اسلام یا دارالاسلام کا معاملہ یہ تھا کہ سلطنت عثمانیہ اور اس کی خلافت کے اندر متعدد آزاد اسلامی ریاستیں موجود تھیں۔ (آزاد ان معنوں میں کہ وہ عثمانیوں سے آزاد تھیں) اس کے باوجود ۱۹۲۶ء میں نظری طور پر سبھی قومیتوں سے بالاتر ایک امت واحدہ کا تصور باقی تھا اور دنیا کا ہر مسلمان خواہ وہ کسی آزاد ملک کا شہری تھا یا سامراج کے زیر تسلط' امت میں شامل تھا اور اسے حق حاصل تھا کہ کسی اسلامی کانفرنس میں آکر شرکت کرے اور آزاد ممالک کے نمائندوں کے مساوی فیصلہ سازی میں حصہ لے۔ مکہ اور یروشلم کی اسلامی کانفرنسوں میں یہی اصول کار فرما تھا۔ خلافت کے خاتمے کے بعد قومیتوں سے بالاتر ایک امت کا تصور کمزور پڑنے لگا جس کا ایک بڑا سبب مغربی تسلط اور قومی ریاست کا تصور تھا۔ چنانچہ امت کی بجائے مختلف قومیتوں پر مبنی آزاد قومی ریاستوں کا نظام وجود میں آگیا۔ اس نظام میں ایک ریاست کا دوسری ریاست کے ساتھ تعلق من دیگرم تو دیگری والا تھا۔ اور ان کے آپس کے معاملات دو طرفہ بنیادوں پر طے پاتے۔ حقیقت کے اعتبار سے امت کا وجود باقی نہیں رہا تھا اور دنیا بھر کے مسلمانوں کی نمائندگی کا حق قومی ریاستوں تک محدود ہو گیا۔

نئے نظام کے تحت کسی اسلامی کانفرنس یا کانگرس کی ایک ہی صورت تھی کہ وہ حکومتی سطح پر ہو یا پھر غیر حکومتی سطح پر۔ عالمی مسلم کانگرس کو اس امر کا احساس اس وقت ہوا جب اس نے ۱۹۴۹ء میں نوزائیدہ اسلامی مملکت پاکستان میں اپنے آپ کو دوبارہ زندہ کیا۔ چنانچہ اس نے اپنی غیر سرکاری حیثیت قبول کر لی جس کی وجہ سے وہ آج تک چل رہی ہے۔ اس کے برعکس دی آرگنائزیشن آف دی اسلامک کانفرنس (OIC) جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے' ۱۹۶۹ء کی پیداوار ہے اور یہ حکومتی سطح کا ایک ادارہ ہے جس کی رکنیت کی اہل صرف ایک اسلامی قومی ریاست ہو سکتی ہے۔

۱۹۵۰ء کی دہائی کے اواخر تک اسلامی کانفرنس کے ان دو الگ اجزا' یعنی سرکاری اور غیر سرکاری کی تقسیم واضح نہیں تھی جس کا ایک سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کے ذہنوں میں ایک امت مسلمہ کا دھندلا سا تصور اس وقت تک بھی موجود تھا۔ دوسرا زیادہ اہم سبب یہ تھا کہ خلافت کے خاتمے کے بعد سامراج کے زیر تسلط مسلمانوں کو اپنی آزاد ریاستیں قائم کرنے میں کم و بیش چالیس برس لگ گئے۔

الاقصیٰ کانگرس سے آگے۔ غیر نو آبادیاتی اسلام

جب آزاد مسلم ریاستیں وجود میں آئیں تو ان کی حکومتوں اور مقامی اسلامی تحریکوں کے درمیان تصادم نے بالآخر اسلامی یک جہتی کو سرکاری اور غیر سرکاری میں تقسیم کر دیا، اس کی مثال مصری حکومت اور الاخوان اور پاکستان حکومت اور جماعت اسلامی ہیں۔

عالم اسلام کے مختلف خطوں میں شروع ہونے والی اسلامی تحریکوں نے اپنے اپنے خطے میں اپنے آپ کو مضبوط کرنے پر توجہ صرف کی۔ چنانچہ اخوان المسلمون عالم عرب میں تو ایک طاقتور سیاسی قوت بن گئی مگر عالمی سطح پر مسلمانوں کی یک جہتی کے لئے وہ کوئی قابل قدر کردار ادا نہ کر سکی۔

ہندوستان کی تحریک خلافت کی جگہ جس کا ساتھ گاندھی اور ہندوؤں نے دیا تھا‘ نرم مزاج‘ جدت پسند اور خلافت مخالف حریف‘ آل انڈیا مسلم لیگ نے لے لی۔ انڈین کانگرس پارٹی اور ہندوؤں کی شدید مخالفت کے ساتھ مسلم لیگ نے برعظیم کی تقسیم اور مسلم اکثریت والے علاقوں پر مشتمل پاکستان کے نام سے ایک آزاد اور خود مختار ریاست کا مطالبہ کر دیا۔ اس مطالبے کو جسے سب سے پہلے علامہ اقبال نے پیش کیا تھا انجام کار مسلمانوں کی اکثریت کی حمایت حاصل ہو گئی۔ ہندوستان کی پرانی مسلمان قیادت کی جگہ محمد علی جناح اور لیاقت علی خان وغیرہ کی سربراہی میں ایک نئی قیادت نے لے لی۔ ان ہندوستانی مسلمان کے رہنماؤں کو عالم اسلام میں وہ مقام و مرتبہ حاصل نہ تھا جو مولانا محمد علی جوہر‘ مولانا شوکت علی اور سید سلیمان ندوی جیسے راہنماؤں کو حاصل تھا مگر اندرون ملک انہیں مسلمانوں کی اسقدر بھرپور حمایت حاصل تھی کہ قدامت پسند علماء (جن کے سربراہ مولانا مدنی تھے) اور مولانا مودودی کی قائم کردہ نئی جاندار اسلامی تحریک‘ جماعت اسلامی‘ دونوں کی مخالفت بھی ان کا راستہ نہ روک سکی۔

> ”بیسویں صدی کا نصف اول ختم ہونے تک مسلمان دنیا بھر میں یکا و تنہا چاروں طرف دشمنوں میں گھر چکے تھے اس پر مستزاد داخلی انتشار اور مغرب کے دیئے ہوئے وطنی قومیت پر مبنی بین الاقوامی نظام کے تحت منقسم امت مغرب کی آلۂ کار بن کر رہ گئی“

نئی قیادت نے کلی طور پر اپنے آپ کو پاکستان کے حصول کی جدوجہد میں لگا دیا اور اس طرح اسلامی کانفرنس کی سیاست سے ایک اہم اور سرگرم رکن پیچھے ہٹ گیا۔

جزیرہ نمائے عرب کی حد تک ابن سعود ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا جس سے نجد اور حجاز میں نئی قائم ہونے والی سعودی عرب کی بادشاہت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا۔ چنانچہ پورے دوسرے جنگ عظیم کے عرصے میں اور ۱۹۵۳ء میں ابن سعود کی وفات تک سعودی عرب عالمی مسلمانوں کے درمیان یک جہتی پیدا کرنے کے عمل سے الگ تھلگ رہا۔ جنگ کے بعد بھی مسلم دنیا بحرانی کیفیت سے دوچار رہی۔ برطانیہ کے اس اچانک اعلان سے کہ وہ اپنے مقبوضہ علاقے خالی کر دے گا فلسطین اور ہندوستان میں حالات بڑی تیزی سے بگڑنے لگے۔ انڈونیشیا میں ڈاکٹر حطہ اور سوئیکارنو کی قیادت میں پرتگیزیوں کے خلاف مزاحمتی تحریک زور پکڑنے لگی۔ ترکی میں اگرچہ اسلام کے احیاء کا دھندلا سا آغاز ہو گیا تھا مگر اس سے مصطفیٰ کمال کی جدید سیکولر جمہوریہ کو کسی قسم کے خطرے کا کوئی اندیشہ نہ تھا‘ جدید ترکی عالم اسلام کی بجائے اپنے آپ کو یورپ کا حصہ شمار کر رہا تھا۔ اس نے دوسری جنگ عظیم اتحادیوں کے ساتھ مل کر لڑی تھی۔ چنانچہ اسے رسمی طور پر نیٹو NATO (نارتھ اٹلانٹک ٹریٹی آرگنائزیشن) میں شامل بھی کر لیا گیا۔

۱۹۴۷ء میں محمد علی جناح کی زیر قیادت آل انڈیا مسلم لیگ اسلامی جمہوریہ پاکستان قائم کرانے میں کامیاب ہو گئی، مسلمان عوام کو دور زوال کے بعد پہلی دفعہ اتنی شاندار فتح حاصل ہوئی تھی جس سے وہ وقت قریب دکھائی دینے لگا کہ جب پوری دنیا کے مسلمان غیروں کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مزید برآں پاکستان کے قیام کے لئے لڑی جانے والی نظریاتی جنگ کی کامیابی نے اس ملک کو ایک حقیقی اسلامی مملکت (دارالاسلام) بنانے کی راہ ہموار کر دی تھی۔

پاکستان وسیع پیمانے پر ہونے والی خون ریزی‘ قتل و غارت اور لوٹ مار جس میں مسلمان‘ ہندو اور سکھ‘ تینوں ملوث تھے‘ کے مراحل سے گزر کر وجود میں آیا تھا۔ مسلمان اس لئے ان حملوں کا زیادہ نشانہ بنے تھے کہ ہندو اور سکھ ہندوستان کی تقسیم سے سخت دل برداشتہ تھے‘ بعض تخمینوں کے مطابق تقسیم کے دوران ۵ لاکھ کے لگ بھگ لوگ قتل ہوئے۔ ابھی یہ مصائب ختم نہیں ہوئے تھے کہ جلد ہی اس نوزائیدہ ملک کو کشمیر کے مسئلے پر ہندوستان کے ساتھ جنگ میں الجھنا پڑا۔

فلسطین سے جاتے ہوئے برطانیہ اپنے پیچھے اسرائیل کی نئی صیہونی ریاست قائم کر کے چھوڑ گیا تھا جس کی وجہ سے ۱۹۴۸ء کا بیشتر حصہ اسرائیل اور عرب فوجیں آپس کی جنگ میں برسرپیکار رہیں۔ یہودی ریاست آہستہ آہستہ ثابت قدمی سے اپنے پاؤں پھیلاتی چلی گئی یہاں تک کہ ۱۹۴۹ء میں عارضی جنگ بندی کے وقت نہ صرف مغربی یروشلم اس کے قبضے میں آ چکا تھا اس نے ایلات کی بندرگاہ پر قبضہ کر کے بحیرۂ احمر تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ عربوں کی مشترکہ فوج کو تقریباً ہر محاذ پر شکست سے دوچار ہونا پڑا‘ سوائے یروشلم کے پرانے حصے اور حرم شریف کے‘ جسے وہ بچانے میں کامیاب ہوئے۔

ہندوستان کی تقسیم اور کشمیر پر جنگ نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان شدید نفرت پیدا کر دی‘ یہی معاملہ فلسطین میں ہوا۔ اسرائیل کے قیام اور فلسطین میں جنگ نے یہودیوں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے متنفر کر دیا۔ صدیوں پہلے صلیبی جنگوں‘ بازنطینیوں کی شکست‘ قسطنطنیہ پر غلبہ اور پھر مغرب کے سامراجی اور نو آبادیاتی نظام کے چرکے‘ ان سب نے عیسائیوں اور مسلمانوں کو آپس کی نفرت اور حقارت میں مبتلا کر رکھا تھا چنانچہ بیسویں صدی کا نصف اول ختم ہونے تک مسلمان دنیا بھر میں یکا و تنہا چاروں طرف دشمنوں میں گھر چکے تھے اس پر مستزاد داخلی انتشار اور مغرب کے دیئے ہوئے وطنی قومیت پر مبنی بین الاقوامی نظام کے تحت منقسم امت مغرب کی آلۂ کار بن کر رہ گئی اور اپنی چودہ سو سالہ تاریخ کے سب سے کٹھن دور میں داخل ہو گئی۔ OO

آج بھی سنی دنیا میں نظام اسلام کے لئے تڑپ موجود ہے

معلوم ہوتا ہے کہ اہل تشیع اپنے اصول استنباط میں تبدیلی کرنے کو تیار ہیں

اکثریتی فرقہ کو دلیل بنا کر مسئلے کا پائیدار حل پیش نہیں کیا جا سکتا

تحریر : امتیاز احمد' ایگزیکٹو ڈائریکٹر' اخوت اکیڈمی اسلام آباد

روزنامہ "پاکستان" اسلام آباد کی مورخہ ۲۰۔ مئی ۹۶ء کی اشاعت میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مذکورہ بالا موضوع کے تحت ایک مضمون شائع ہوا۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے اس مضمون اور اسی طرح کے ان کے گزشتہ کئی خطبات خصوصاً ماہنامہ "میثاق" میں اپریل ۹۶ء میں شائع ہونے والے خطبہ جمعہ کے متن سے حاکمیت دین کی تڑپ اور لگن کا احساس ہوتا ہے۔ شیعہ سنی مفاہمت کی ضرورت اور اس اتحاد کے لئے ان کے ان نظری و فکری مباحث سے جذبہ خیر سگالی کی بو آتی ہے۔ انہوں نے یقیناً عالم اسلام کے ایک اہم مسئلے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اسی مضمون میں انہوں نے بجا طور پر اس احساس کو اجاگر کرنے پر زور دیا ہے کہ جب تک شیعہ سنی مفاہمت نہیں ہو گی اس وقت تک ملک میں تخریب کاری کی بیخ کنی نہیں ہو سکتی اور نہ پاکستان میں نفاذ اسلام کا راستہ ہموار ہو سکتا ہے اور نہ دنیا میں ایک مضبوط مسلم بلاک بن سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ باتیں بہت اہم ہیں۔ اس میدان میں وہ بہت سے مسلم اسکالرز اور دانشوروں سے بہت آگے نظر آتے ہیں۔ اس مسئلے پر انہوں نے سوچا ہے' اہمیت کا احساس کیا ہے اور راہ حل بھی تجویز کی ہے ان کی ان باتوں کو شیعہ سنی حلقوں کی جانب سے قدر کی نگاہ سے دیکھا جانا چاہئے۔ البتہ اس سلسلے میں ہماری رائے یہ ہے کہ اس موضوع پر دیگر اہل رائے افراد کو بھی اظہار خیال کرنا چاہئے تاکہ ایک علمی اور اکیڈمک گفتگو سے مفاہمت کا بہتر حل نکالا جا سکے۔ ہمیں یقین ہے کہ ڈاکٹر صاحب بھی اس قسم کی بحثوں کی حوصلہ افزائی کریں گے۔ اس سلسلے میں ہماری بھی کچھ آراء ہیں جو قارئین محترم' جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور دیگر اہل درد افراد کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ اہل تشیع اور اہل سنت کے درمیان مشترک اساس کتاب اللہ ہے البتہ سنت پر بھی اتفاق ہونے کے باوجود اہل تشیع کے سنت کے ماخذ الگ ہیں جبکہ اہل سنت کے مسالک و مذاہب آپس میں کتاب و سنت کی تعبیرات' استدلالات اور اصولوں میں فرق کے باوجود سنت کے ماخذ پر متفق ہیں لہٰذا اہل تشیع کے ساتھ مسلکی اختلافات زیادہ گہرے ہیں۔ راقم ڈاکٹر صاحب کی ان باتوں سے متفق ہے انہوں نے درست اور صحیح لکھا ہے کہ اہل تشیع کے ماخذ سنت جدا ہیں لیکن دنیا میں موجود اس حقیقت کے ہونے کا یہ معنی نہیں کہ کبھی بھی وہ دور نہیں آ سکتا جب اہل سنت' اہل تشیع کے ماخذ سنت سے استفادہ کریں اور اہل تشیع' اہل سنت کے ماخذ سے۔ کیا بعید ہے کہ ڈاکٹر صاحب جیسے اتحاد کے داعیوں کی محنت اور کوشش سے اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین سنت کے ماخذ پر اتفاق ہو جائے۔ موجودہ ماخذ کے الگ ہونے کا یہ معنی نہیں کہ روایات' و احادیث بھی معنی و مفہوم کے اعتبار سے سرے سے جدا ہیں۔ ہمارے علم میں ہے کہ آج بھی کچھ لوگ ان روایات کو جمع کرنے کا کام کر رہے ہیں جو اہل تشیع و اہل سنت کے درمیان مشترک ہیں اور اس سلسلے میں کچھ کتابیں شائع بھی ہو چکی ہیں۔ امت مسلمہ کے پاس وحی منزل و غیر متغیر فقط کتاب اللہ ہے جبکہ ماخذ احادیث عالم اسلام ہی کے عظیم علماء اور بزرگوں کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ احادیث و روایات کی جمع آوری بالاخر انسانی کاوشوں ہی سے ہوئی ہے بہرحال اہل سنت اور اہل تشیع نے اپنے اپنے معیارات اور سلسلہ رواہ سے ان مجموعوں کو مرتب کیا ہے۔ کیا آج کا انسان اس قابل نہیں کہ احادیث کے سلسلے میں گزشتہ زمانے میں ہونے والی کوششوں کو پایہ تکمیل تک پہنچائے اور امت مسلمہ کو ایک نوید دے کہ آج سے قرآن کے علاوہ' سنت کے ماخذ پر بھی اتفاق ہو گیا ہے۔ اہل سنت و اہل تشیع کے علماء و دانشور اس موضوع پر اجتہاد کریں اور مل بیٹھ کر ایک دوسرے کے ماخذ سے استفادے کے اصول و ضوابط مرتب کریں اور اتحاد کی جانب ایک قدم اور بڑھائیں۔ یہ کام اگر تمام ابواب میں نہ بھی ہو سکے تو کم از کم ملکی قوانین (Law of the Land) کے ابواب میں ضرور ہو سکتا ہے۔ اہل سنت میں مولانا مودودی مرحوم اور اہل تشیع میں آیت اللہ بروجردی مرحوم جیسے بہت سے علماء کی رائے ہے کہ اہل سنت و اہل تشیع کے درمیان ملکی قوانین کے حوالے سے نوے فیصد سے زیادہ مشترکات ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس سلسلے میں موجود احادیث کے مجموعے میں اسی قدر اشتراک بھی ہے پھر کیوں نہ ہم اس مشترکہ مجموعے کو یکجا کر لیں اور باقی حصے پر گفتگو و اجتہاد کے ذریعے استفادے کی کوئی سبیل نکال لیں۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنے مذکورہ مضمون میں شیعہ سنی مسئلے کا حل یہ پیش کیا ہے کہ ہمیں بھی ایران کی طرح ملکی قوانین (Law of the Land) اکثریتی فقہ کے مطابق بنا لینے چاہئیں اور عقائد' عبادات اور فیملی لاز کے بارے میں ہر مسلک کو اس کی فقہ پر عمل کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دینا چاہئے۔ ڈاکٹر صاحب کی گفتگو سے یہ بات عیاں ہے کہ ان کی نظر میں یہ حل معروضی حالات کے پیش نظر ہے دگرنہ شاید آئیڈیل اور دیرپا حل اس کے علاوہ کوئی اور ہو۔ زکوٰۃ کے مسئلے میں ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ زکوٰۃ اسلام کے معاشی نظام کا اہم ستون ہے اس اعتبار سے زکوٰۃ ریاستی سطح کی چیز ہے لیکن اس وقت تک کوئی آئیڈیل اسلامی ریاست موجود نہیں لہٰذا زکوٰۃ کو عبادات میں شامل کر کے ہر مسلک کو اس میں آزاد چھوڑ دیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب کی اس بات سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا دیا گیا حل یا ایران میں پیش کیا گیا حل وقتی ضرورت کو تو شاید پورا کر دے مثلاً ہمارے ملک کو

انگریز کے قانون سے نجات دلا کر فی الجملہ قرآن و سنت کی پٹڑی پر تو لے آئے جیسے ایران میں شہنشاہی نظام کے خاتمے کے بعد قرآن و سنت کو نظام کی بنیاد بنایا گیا ہے اور اس کے لئے فقہ جعفری کی مروجہ تعبیرات کو اختیار کیا گیا ہے لیکن اسے حتمی اور ہمہ گیر حل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ سوچنے کی ضرورت ہے کہ کیا اس سے بہتر کوئی صورت' اس سے بہتر کوئی حل سامنے آ سکتا ہے؟ کیا عملی طور پر کوئی ایسا راستہ ہے جو ہمیں معروضیت سے نجات دلا سکے۔ ممکن ہے ہم اس سلسلے میں کوئی بہتر حل پیش کر سکیں اور ایران کو بھی اس سلسلے میں ہماری پیروی کرنا پڑے۔ ایران نے اگر فقہ جعفری پر مبنی قرآن و سنت کی تعبیر اختیار کی ہے تو ہمیں اس سے آگے جانا چاہئے اور پورے عالم اسلام کے لئے ایک ایسا نمونہ پیش کرنا چاہئے جسے ہم آئیڈل اسلامی نظام کہہ سکیں۔ کیا ہم ہی اسلامی جمہوریہ کے قیام میں ایران سے پیش قدم نہ تھے۔ کیا ہم ہی نظام مصطفٰے کے قیام کی جدوجہد میں ایران کی اسلامی انقلابی تحریک سے پیش قدم نہ تھے؟ اگرچہ ایرانی عوام کی تحریک کامیاب ہوئی اور ہماری تحریک کا رخ موڑ دیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کے بقول سنی دنیا کے سن ہونے کی بات نہیں ہے بلکہ آج بھی سنی دنیا میں نظام اسلام کے لئے تڑپ موجود ہے اور اس سلسلے میں جدوجہد ہو رہی ہے اور میرے خیال میں سنی دنیا ہی سے قرآن و سنت پر مبنی ایک ایسے نظام کا خاکہ ابھرنا چاہئے جو پورے عالم اسلام پر اثر انداز ہو اور جس میں اکثریتی فقہ کی بات نہ ہو بلکہ خالص اسلامی ریاست ہو جو امت مسلمہ کے استحکام و وحدت کا عملی نمونہ پیش کرے۔

اکثریتی فقہ کے نفاذ کے بارے میں اپریل ۹۵ء کے ماہنامہ "میثاق" میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :

> "مراد یہ نہیں ہے کہ جو فقہ حنفی آج سے کئی سو سال پہلے مرتب کی گئی تھی وہ جوں کی توں نافذ کر دی جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اب جو اجتہاد ہو گا اور جو قانون سازی ہو گی وہ فقہ حنفی کے اصول فقہ کے مطابق ہو گی یعنی استنباط اور اصول وہی ہوں گے جو فقہ حنفی کے ہیں"۔

ڈاکٹر صاحب کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ عصر حاضر میں اجتہاد کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں اور ان کی نظر میں فقہ حنفی کے پرانے احکامات کے بارے میں بھی اجتہاد کئے جانے کی ضرورت ہے البتہ ان کی رائے میں یہ اجتہاد فقہ حنفی کے اصولوں کے مطابق ہونا چاہئے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں یہ عرض کرنا ہے کہ احناف کی اصول فقہ میں بھی اختلاف رائے موجود ہے لہٰذا اصول فقہ کی کسی اصل کو اپنانے کے لئے بھی اجتہاد کی ضرورت پیش آئے گی۔ پھر کیا ڈاکٹر صاحب محسوس کرتے ہیں کہ بقول ان کے "کئی سو سال پہلے مرتب کردہ فقہ حنفی" کے اصولوں میں کچھ نئے اصولوں یا شرائط کے اضافے کی گنجائش و ضرورت نہیں ہے۔ یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ گزشتہ ادوار میں اصول فقہ بھی بہرحال انسانی کاوشوں ہی سے ترتیب دیا گیا ہے۔ آج یہ کتنا بھی قابل تحسین کیوں نہ ہو لیکن صدیاں گزر جانے کی وجہ سے نئے حقائق سامنے آئے ہیں' نئے حالات و مسائل نے جنم لیا ہے ممکن ہے بہت سے مسائل حل کرنے کے لئے ہمیں نئے اصول ترتیب دینا پڑیں' بہت سے اصولوں میں ترمیم اور رد و بدل کرنا پڑے یا نئی شرائط کا اضافہ کرنا پڑے یہاں تک کہ شاید کچھ اصول کالعدم قرار بھی دیئے جائیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد جب "میثاق" کے مطابق ہر میدان میں اجتہاد کے لئے ایک نئی مقننہ (Legislative) کی تشکیل کی اجازت دیتے ہیں تو پھر اس نئی مقننہ کو فقہ حنفی کے اصول فقہ میں محدود کرنا بھی ضروری قرار نہیں دیا جانا چاہئے خصوصاً ایسی صورت میں کہ جب حنفی اصول فقہ میں بھی اختلاف رائے موجود ہے۔ اکثریتی فقہ کو دلیل بنا کر مسئلے کا پائیدار حل پیش نہیں کیا جا سکتا بلکہ ضرورت ہے کہ اہل حل و عقد جمع ہوں اور خود استنباط و استدلال کے طریقوں پر بھی اجتہاد کریں اور کوئی ایسا حل تلاش کریں جو تمام عالم اسلام کے لئے مورد قبول ہو۔ چند ماہ قبل ایران کے مذہبی راہنما آیت اللہ خامنہ ای نے اہل تشیع کے علماء و فقہاء کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ استنباط و استدلال کے جو اصول ان کے ہاں رائج ہیں ان پر نظر ثانی کی جانی چاہئے۔ وہ کہتے ہیں کہ کوئی یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ استنباط کے موجودہ طریقے تکامل کی آخری منزل تک پہنچ گئے ہیں بلکہ گزشتہ زمانے میں بھی یہ تکامل حاصل کرتے رہے ہیں اور آج بھی یہ گنجائش موجود ہے۔ آیت اللہ خامنہ ای کی اس ہدایت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اہل تشیع اپنے اصول استنباط میں تبدیلی کرنے کو تیار ہیں تو پھر اہل سنت کی طرف سے بھی اس سلسلے میں مثبت جواب دیا جانا چاہئے۔ ممکن ہے امت مسلمہ کے علمی اتحاد کا سہرا موجودہ زمانے کے علماء و مفکرین کے سر ہو جس کے نتیجے میں مسلمانوں میں پائیدار اتحاد قائم ہو جائے اور نفاذ اسلام کی مشکلیں اس طرح حل ہو جائیں اور علماء کے تفرقے کے باعث اسلام سے دور ہونے والے عوام پورے اعتماد کے ساتھ اسی نظام کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور اس طرح دین کی حاکمیت قائم ہو جائے۔

(بشکریہ : روزنامہ "پاکستان" ۲۳/ مئی ۱۹۹۶ء)

* * *

کوئلے کی تحریر

لشکر اسلام نے ایران کے دارالحکومت مدائن پر قبضہ کیا تو سالار لشکر حضرت سعد بن وقاص نے مجاہدین کا ایک دستہ آتش کدہ نوبہار کی آگ سرد کرنے کے لئے بھیجا روایات کے مطابق اس آتش کدہ کی آگ ہزار سال سے روشن تھی مجاہدین کا دستہ جب آتش کدہ نو بہار تک پہنچا تو اس کے مرکزی دروازے کے اوپر زرتشت کا یہ قول نمایاں الفاظ میں درج تھا :

"بادشاہ کے دربار میں اس کو حاضر ہونا چاہئے جس کے پاس علم' حوصلہ اور دولت ہے"

مجاہدین جب آتش آتش کدے کی آگ سرد کر کے آئے تو ایک مجاہد کے ہاتھ میں بجھی ہوئی آگ کا ایک کوئلہ تھا اس نے زرتشت کے مذکورہ قول کے نیچے لکھا :

"جس کے پاس علم' حوصلہ یا دولت میں سے ایک چیز بھی ہے اسے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے"

(سہ ماہی "وحدت" اسلام آباد' ۱۹۹۶ء)

اسلامی انقلاب نہ تو بیلٹ کے ذریعے آئے گا' نہ بلٹ کے ذریعے

ہم دوسروں کی کوتاہیوں کو اجاگر کرنے کا کوئی موقعہ ضائع نہیں ہونے دیتے

تحریر: میم سین' کراچی

ہم میں من حیث القوم جو خرابیاں پائی جاتی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ہمیں اپنی ذمہ داریاں تو یاد رہتی نہیں البتہ ہم دوسروں کی کوتاہیوں کو اجاگر کرنے کا کوئی موقعہ ضائع نہیں ہونے دیتے۔ مذہبی سیاسی جماعتیں اور دیگر مذہبی تنظیمیں بھی چونکہ اسی معاشرے کا حصہ ہیں لہٰذا وہ اپنے آپ کو اس متعدی مرض سے کس طرح محفوظ رکھ سکتی ہیں۔ یہ جماعتیں جو خود کو اسلامی انقلاب کا علمبردار کہتی ہیں اس بات پر متفق نظر آتی ہیں کہ پاکستان کے تمام مصائب کی جڑ یہاں کا حکمران طبقہ ہے۔ ان ماعتوں کی نظریں چونکہ ایوان اقتدار پر ہوتی ہیں' یہ انکی مجبوری ہے کہ اس ایوان میں موجود حکمرانوں میں کیڑے نکالے جائیں۔ لہٰذا انہیں ساری خرابیاں اسی طبقے میں نظر آتی ہیں۔ ان کی اپنی بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں جو انہیں یاد نہیں رہیں اور عوام میں در آنے والی خرابیوں سے اس لئے صرف نظر ضروری ہے کہ انہیں کے ووٹوں کے ذریعہ ایوان اقتدار میں رسائی ممکن ہے اور جب تک اقتدار حاصل نہ ہو جائے اسلام کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔

"تحریک تبدیلی نظام" کے عنوان سے ملک کے معروف دانشور صحافی مجیب الرحمٰن شامی نے روزنامہ "جنگ" میں شائع ہونے والے کالم "جلسہ عام" میں نظام میں تبدیلی کے حوالے سے سوچ بچار کرنے اور کسی واضح نتیجے پر پہنچنے کے لئے جن کاوشوں کا ذکر کیا ہے ان کا نتیجہ بھی یہی نکالا ہے کہ ساری خرابیوں کا ذمہ دار حکمران طبقہ کو ٹھہرا دیا گیا ہے۔ ہماری مصیبت یہ ہے کہ بقول میر تقی میر۔

میرؔ کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

ہم بات تو نظام کی تبدیلی کی کرتے ہیں لیکن مروجہ نظام انتخابات سے چھٹکارا حاصل کرنے کا کوئی عزم نہیں رکھتے۔ حالانکہ کسے پتہ نہیں کہ کسی ملک میں جاری نظام کو انتخابات کے ذریعہ تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ انتخابات کے ذریعہ مروجہ نظام کو بہتر سے بہتر انداز میں چلانے کے لئے افراد مہیا ہوتے ہیں۔ اس طرح اس نظام میں کچھ اصلاح تو ممکن ہے اس میں بنیادی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی دیگر سیاسی جماعتیں اگر جمہوریت پر فریفتہ ہیں تو اس کی وجہ تو سمجھ میں آتی ہے کہ انہیں نظام کی تبدیلی سے کوئی غرض نہیں۔ لیکن جو جماعتیں نظام کی تبدیلی کا عزم رکھتی ہیں انہیں جاری نظام کا حصہ بننا' اس کے دستور کے تحت حلف اٹھانا اور دستور کی پاسداری کا عہد کرنا ان کے اس عزم سے مطابقت نہیں رکھتا۔ کیا کبھی کسی کیمونسٹ جماعت نے بھی کیمونسٹ انقلاب کے برپا ہونے سے پہلے کسی ملک کے جاری نظام میں حصہ لیا ہے؟ لیکن یہاں تو معاملہ ہی اور ہے گویا کہ ۔

ہم ہوئے کہ تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

میں ان جماعتوں کے خلوص پر شک کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا لیکن بہرحال یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ یہ جماعتیں جمہوری نظام سے چمٹے رہنے پر کیوں مجبور ہیں جبکہ نوبت بہ ایں جارسید کہ ع "اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی" والا معاملہ ہو چکا ہے۔ سیاسی مذہبی جماعتوں کی سیاسی میدان میں روز بروز پسپائی کے نتیجے میں دین و مذہب کے علمبرداروں پر سے عوام کا اعتماد تو متزلزل ہو ہی رہا ہے بلکہ یہ تاثر بھی دینے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ نعوذ باللہ اب اسلامی نظام میں وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت نہیں رہی۔ جبھی تو یہ بلند بانگ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ سودی نظام کے بغیر اقتصادی ترقی کیونکر ممکن ہے۔ میں طویل غور و فکر کے بعد جس نتیجے پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر ان جماعتوں کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں۔ اسلامی تحریک کی ابتدا دعوت سے ہوتی ہے اور اس کا ایک لازمی تقاضا استقامت ہے تحریک میں شامل افراد کی ذہنی تطہیر کے نتیجے میں انقلاب برپا ہوتا ہے۔ دعوت و استقامت کے تمام مراحل سنت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہونگے تو مثبت نتائج لازماً برآمد ہوں گے۔ سیرت کے مطالعہ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبائلی سرداروں کے پاس بنفس نفیس گئے ہیں۔ انہیں اسلام کی دعوت دی ہے۔ اس کے نتیجے میں ذہنی و جسمانی اذیتوں سے بھی انہیں گزرنا پڑا ہے۔ طائف کی گلیوں میں آپؐ نے درمندی کے ساتھ اپنی بے چارگی کا شکوہ اللہ تعالیٰ سے کیا ہے لیکن انتہائی یاس کے عالم میں بھی امید کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ملک الجبال کی اس پیشکش پر کہ اگر آپؐ چاہیں تو بنی ثقیف کے قبیلے کو اطراف کے پہاڑوں سے پیس کر رکھ دیا جائے حضورؐ نے فرمایا نہیں کیا پتہ ان کی آئندہ نسلوں میں لوگ اسلام کی دعوت قبول کرلیں۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ یوم طائف کے تقریباً ایک سو سال بعد اسی قبیلے کا نوجوان محمد بن قاسم مسلمان فاتح کی حیثیت سے سندھ میں داخل ہوا۔ حضورؐ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے عمر بن الخطابؓ کو پایا ہے جن کے بارے میں اغیار بھی اعتراف کرتے ہیں کہ ان جیسا حکمران آج تک دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔ کیا ہمارے سیاسی علماء نے اس دلسوزی کے ساتھ حکمران طبقات کو دین کی دعوت دی ہے؟ کیا راتوں کو اٹھ کر کسی کے لئے دعائیں کی ہیں؟ ایسے سلیم الفطرت ہر دور میں رہتے ہیں جن پر دین کی محنت کی جائے تو وہ دین کی سربلندی کی جدوجہد میں شمولیت کے لئے آمادہ ہو سکتے ہیں۔ آج بھی اس گروہ میں ایک صاحب ایسے ہیں جو کبھی وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے دور وزارت میں ذرائع بلاغ کو جس طرح قابو میں رکھا تھا اس کی پاکستان کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ مجھے ان سے ملنے کا بھی اتفاق ہوا ہے ان کی تقاریر بھی سنی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک سلیم الفطرت انسان بنایا ہے۔ لیکن اگر انہیں صرف سیاسی حریف ہی سمجھا جائے تو دین کا بھلا کس طرح ممکن ہے۔ ہماری مذہبی سیاسی جماعتیں بھی ان خانقاہوں کی مانند ہو چکی ہیں جن سے وابستہ افراد تک دین کی دعوت پہنچانا فرض سمجھا جاتا ہے لیکن عوام کو [illegible]

تربیت کا نظام کسی جماعت میں نہیں یہ اور بات ہے کہ مروجہ سیاست کی آلودگی ان جماعتوں کے کارکنوں کی دینی تربیت پر بھی پانی پھیر دیتی ہے جس کی ایک مثال ۹۳ء کے دوران دینی جماعتوں کی انتخابی مہم کے دوران نظر آتی ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جمہوریت کی گہما گہمی میں کسی کو فرصت ہی نہیں کہ نبی اکرمؐ کی سیرت طیبہ کے حوالے سے فلسفہ انقلاب پر غور کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر مذہبی جماعتوں کو بھی انقلاب کے نبوی طریقہ کا اتنا ادراک نہیں جتنا کمیونسٹ انقلاب وغیرہ کا۔ مکی دور میں عدم تشدد کی پالیسی، ہجرت کے بعد یہود قبائل سے معاہدے کے ذریعے قریش والاں کو سیاسی میدان میں تنہا کر دینا، سرایا کی روانگی کے ذریعہ ان کی معاشی ناکہ بندی کا راستہ روکنا، صلح حدیبیہ میں دب کر صلح کرنے کی حکمت، منافقوں سمیت یہودیوں کی بیخ کنی یہ وہ باتیں ہیں جن پر مسلسل غور و فکر ضروری ہے۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ بیانات دینے، جلسے کرنے، جلوس نکالنے اور اس قسم کی دیگر سرگرمیوں میں محو ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اسلام کی منزل اب آئی کہ آئی۔ مجھے اس وقت جگر مراد آبادی مرحوم کا یہ شعر یاد آ رہا ہے کہ

تپتی راہیں مجھ کو پکاریں
دامن پکڑیں چھاؤں گھنیری

جب تک یہ جماعتیں گھنیری چھاؤں سے نکل کر تپتی راہوں پر گامزن نہیں ہوتیں انقلاب کا برپا ہونا ناممکن ہے۔ ایک موقع پر ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک کو اسلامی انقلاب کے طریقہ کار پر گفتگو کی دعوت دی گئی تو انہوں نے مجدد الف ثانی حضرت احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ کے طریق کار کی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ مجدد الف ثانیؒ نے دور ملوکیت میں سرکاری اہلکاروں کو خطوط کے ذریعے دین کے عملی تقاضوں سے آشنا کیا۔ مولانا اکرم خان اعوان فوج کی نصرت کے قائل ہیں۔ وہ بھی اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ پاکستان کے تمام مصائب کی جڑ حکمران طبقہ ہے۔ جب تک جمہوریت کے نام پر اس طبقہ کی موروثی بادشاہت کو ختم کر کے ملک کے ذہین طبقے کو ملکی معاملات میں شریک نہیں کیا جاتا کسی شعبے میں اصلاح ممکن نہ ہو گی۔

آخر جو تجاویز اس کالم کے ذریعہ عام کی گئی ہیں وہ بظاہر کتنی ہی بھلی لگتی ہوں لیکن سوال ہے کہ بلی کے گلے میں گھنٹی باندھے گا کون؟ پاکستانی سیاست پر قبضہ جاگیرداروں، سرمای داروں اور بیوروکریٹس پر مشتمل تثلیث کا ہے۔ انہیں کا ووٹ بینک ہے۔ یہی اسمبلیوں میں بیٹھے ہیں۔ کیا وہ ان تجاویز پر عمل درآمد کروائیں گے؟ اور اقتدار سے محروم ہونا قبول کریں گے۔ ابھی تو حال یہ ہے کہ تمام تر دباؤ کے باوجود یہ زرعی ٹیکس نافذ کرنے کے لئے تیار نہیں۔ انکم ٹیکس تنخواہ دار طبقہ دیتا ہے اب ہر شے پر سیلز ٹیکس بھی ادا کریں گے۔ گلچھرے یہ اڑائیں گے۔

اصل بات یہ ہے کہ اسلامی انقلاب نہ تو بیلٹ کے ذریعے آئے گا، نہ بلٹ کے ذریعے اور نہ ہی یہ محض تبلیغ کے ذریعہ بلکہ اس کے لئے ایک پر امن عوامی احتجاجی تحریک چلانی پڑے گی جو ابتدا معاشرے میں ان منکرات کے خلاف ہو گی جن کے منکر ہونے پر ہر طبقہ متفق ہو۔ اس سے اسلامی انقلاب کے لئے راہ ہموار ہو گی البتہ اس سے قبل دین کی دعوت، دعوت قبول کرنے والوں کی مضبوط تنظیم جو بالآخر پریشر گروپ بن سکے اور ان کی تربیت جس کا محور و مرکز قرآن حکیم ہو۔

* * *

KT **KHALID TRADERS**
IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

PLEASE CONTACT
TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly)
Amin Arcade 42,
Brandreth Road, Lahore-54000
Ph : 54169

GUJRANWALA :
1-Haider Shopping Centre, Circular Road,
Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

کرپٹ قیادت شیروں کو بلی اور گھوڑوں کو گدھا بنا کر بیچ دیتی ہے

جس طرح آزادی مشروط نہیں ہو سکتی اسی طرح ملک کا دفاع مشروط نہیں ہو سکتا

مردہ لاشوں کی شناخت کرنے کے بجائے ان کو بچاؤ جو ابھی سانس لے رہے ہیں

تحریر : ایس ایم ظفر

ہمارے ملک کا ایک طبقہ وہ حد پار کر چکا ہے جسے "صم بکم فھم لا یرجعون" کی ناقابل واپسی گراوٹ کہا جاتا ہے۔ لیکن کالم میں اشارتاً یہ ذکر بھی تھا کہ زیادہ مشکل میں وہ لوگ پڑے ہوئے ہیں جو کرپشن کو تو برا جانتے ہیں لیکن چاروں طرف سے گھرے ہوئے دلدل میں پھنس گئے ہیں اور ان کو بچا کر محفوظ مقام تک لے آنا دشوار کام ہے۔

کالم کی اشاعت کے دوسرے دن ایک صاحب کا فون آیا اور پھر وہ ملنے چلے آئے۔ آتے ہی کہنے لگے اس طبقہ پر نوحہ خواں ہونے کی کیا ضرورت جو ایسی گہرائیوں میں جا گرے ہیں کہ اب ان کے دلوں پر مہر ثبت ہو چکی ہے؟ اب ایسے بیماروں کی طرف توجہ دیں جو تندرست ہو سکتے ہیں۔ مردہ لاشوں پر گفتگو محض پوسٹ مارٹم کرنا ہی ہو گا۔ اس وقت معاشرے کو تاریخ کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

ابھی ان سے گفتگو جاری تھی کہ مجھے محترم نسیم انور بیگ کا فون آیا آج شام چائے اکٹھا ہونا ہے۔ نسیم انور بیگ اسلام آباد سے آئے تھے اور یہاں ان کا اپنا "قلم قبیلہ" ہے۔ حسب حکم شام کو پہنچا تو دانشوروں کا ایک گروہ بیٹھا ہوا تھا۔ نسیم انور بیگ دھیمے دھیمے لیکن خوبصورت انداز میں ملک کے مسائل کا ذکر کر رہے تھے کہ جس طرح آزادی مشروط نہیں ہو سکتی اسی طرح ملک کا دفاع مشروط نہیں ہو سکتا۔ ہر قیمت پر برقرار رکھنے کی تیاری لازمی ہوتی ہے۔

AS THERE CAN BE NO CONCEPT OF AFFORDABLE LIBERTY SO THERE IS NO CONCEPT OF AFFORDABLE DEFENCE

دفاع سے توجہ ہٹی تو کرپشن زیر بحث آیا نسیم انور بیگ نے کہا سب سے بڑی کرپشن تو مہنگائی ہے اس کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ میں نے اس وقت برائے گفتگو صرف یہ کہا کہ وہ کرپشن جو بوجہ مہنگائی پیدا ہو رہی ہے وہ فی الحال نظر انداز کی جا سکتی ہے۔ مثلاً میں اس کلرک یا سپاہی کو کچھ نہیں کہہ پا رہا ہوں جو مہنگائی کے ہاتھوں مجبوراً کرپٹ ہے لیکن اس کے علاوہ ایک دوسری کرپشن ہے جو مجبوراً نہیں بلکہ عیاشی میں کی جاتی ہے جو ضرورت پوری کرنے کے لئے نہیں کی جاتی بلکہ جو نئی ضرورت اختراع کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ ایک پٹواری نے اگر رشوت لے کر اپنا بچہ پڑھا لیا تو ایک ضرورت پوری کی (مانتا ہوں کہ اس نے غلط راستہ اختیار کیا لیکن...) اس کے برعکس ایک صاحب اقتدار نے قومی خزانہ سے ہتھیائی ہوئی رقم سے جب پیرس اور واشنگٹن دونوں جگہ گھر اس لئے خریدے کہ امارت کا اظہار ضرورت بن چکا تھا کرپشن کی نوعیت بالکل بدل گئی میں نے کہا نسیم بھائی مہنگائی والی کرپشن قابل علاج بیماری ہے اور میں جس کرپشن کی بات کر رہا ہوں وہ ایک کینسر ہے وہ ضرورت نہیں عادت ہے۔

ڈاکٹر صفدر محمود بھی شدومد کے ساتھ کرپشن کے خلاف بول رہے تھے انہوں نے سوالیہ انداز میں پوچھا! کہتے ہیں ہر ترقی یافتہ ملک میں کرپشن موجود ہے اور ترقی پذیر ملک کو اس وقت سے گزرنا ہی ہوتا ہے۔ میں نے عرض کی کہ میں اپنا نقطہ نظر اس طرح واضح کرنا چاہوں گا کہ ایک انسانی حقوق کی انجمن کے سربراہ ہونے کے ناطے میں ملزم کے حق میں دفاع کا علمبردار ہوں اور سزائے موت کا عمومی طور پر مخالف بھی ہوں۔ عام غبن اور مالی خرد برد کے مقدمات میں سزائے موت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر کبھی مجھے موقع میسر آئے تو کرپشن کی چند ایک مثالیں ایسی ہیں کہ میں انسانی حقوق اور قانون کی لمبی چوڑی تاویلوں کو قومی مفاد کے تابع کرتے ہوئے کئی افراد کو سزائے موت کا مستحق قرار دوں گا کیونکہ انہوں نے قومی مفاد کی بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے کرپشن کی پوجا کی ہے۔

اربوں کا چکر

نوٹ چھاپنے کے چکر میں ماضی میں سبھی حکومتیں مصروف رہی ہیں لیکن اس مرتبہ تو حد ہی ہو گئی ہے اور کذب بیانی اس پر مستزاد۔ جون ۱۹۹۵ء میں موجودہ سال کے بجٹ کے موقع پر وعدہ کیا تھا کہ بجٹ کے اہداف کو بینکوں سے قرضہ لے کر پورا کرنے کے لئے رقم کو ۲۸ بلین (ارب) روپے تک ہی محدود رکھا جائے گا۔ حکومت نے مالی سال کی پہلی سہ ماہی سے ہی اس بات کی وعدہ خلافی کی جو کہ آج تک بدنیتی' دریدہ چشمی اور کذب گوئی سے جاری ہے یہ حد اب ۷۱ سے ۷۴ بلین (ارب) تک پہنچ چکی ہے۔ بین الاقوامی مالیتی فنڈ متعلقہ اداروں اور عوام سے اصل حالات چھپانے کے لئے وقتاً فوقتاً سرکاری کارپوریشنوں اور اداروں سے ان کے فنڈز ایک دن کے لئے لے کر سیٹ بینک میں جمع کر دیئے جاتے ہیں' اور سیٹ بینک اپنے عالم فاضل اور دیانت دار گورنر ڈاکٹر محمد یعقوب کے ہوتے ہوئے بھی ایک سرٹیفکیٹ جاری کر دیتا ہے کہ بینکوں سے حکومتی قرضوں کی رقم مالیاتی فنڈ کی حدود کے اندر ہے اور باقی سب اچھا ہے یہ عمل سب کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے یہ عمل غیر اخلاقی ہے یہ عمل عوام کی نظروں میں حکومتی وقار کو بلند نہیں کرتا بلکہ نیچے گراتا ہے۔ یہ عمل معیشت کے لئے تباہ کن ہے یہ عمل افراط زر اور ہوشربا گرانی میں مزید اضافے کا ذمہ دار ہے اور اس کے اثرات کو نہ تو زائل کیا جا سکتا ہے اور نہ پیچھے دھکیلا جا سکتا ہے۔

(نوائے وقت)

شام کی یہ محفل ختم ہوئی۔ لیکن میرے ذہن میں صبح ان صاحب کی گفتگو کہ مردہ لاشوں کی شناخت کرنے کی بجائے ان کو بچاؤ جو ابھی سانس لے رہے ہیں اور نسیم انور بیگ کا یہ کہنا کہ مہنگائی خود ایک کرپشن ہے اور میرا عندیہ ہے کہ مہنگائی سے جنم لینے والی کرپشن ایک مجبوری ہے، یہ سب باتیں غلط ملط ہو رہی تھیں۔ مہنگائی، مجبوری اور کرپشن کا ایک خوفناک رقص میری آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا۔ میں نے خوفناک رقص کی اصطلاح اس لئے استعمال کی ہے کہ اگر یہی ترتیب قائم رہی تو خدشات ہیں کہ کیا سے کیا کچھ ہو سکتا ہے۔ میں اپنے خدشات کی وضاحت اسناد کے ساتھ پیش کرنا چاہوں گا۔

ایک مصنف جو جمہوریت کے مستقبل پر ریسرچ کر رہے ہیں ان کا کہنا ہے کہ "مہنگائی کی کوکھ سے نکلی ہوئی کرپشن اگر ایوان اقتدار کی عادت بن جائے تو پھر جمہوریت کی بساط لپیٹ دی جاتی ہے۔ ایسی کرپشن جمہوریت نگل جاتی ہے"۔

ایک مصنف جو سوشیالوجی کے محقق ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ "اگر کرپشن کو بروقت روکا نہ جائے تو پھر معاشرہ بہت کرپٹ اور کم کرپٹ میں تقسیم ہو جاتا ہے اور دولت کی غیر مساوی تقسیم کا علاج ڈاکے ڈال کر یا حساب کتاب کی ہیرا پھیری کر کے کیا جاتا ہے"۔

اقتصادی ماہرین کا خیال ہے کہ سرمایہ کاری کا نیا نظام مارکیٹ اکانومی کو فروغ دیتا ہے اور مارکیٹ کلچر کرپشن کو پالتی ہے۔ اپنی منڈی کو قائم کرنے کے لئے طاقت ور کمزور ملکوں میں کرپٹ قیادت سے سمجھوتہ کر لیتے ہیں (بلکہ ان کو پسند کرتے ہیں) کیونکہ ایماندار قیادت اپنے ملک کو ٹائیگر بنانا چاہے گی جبکہ کرپٹ قیادت تو شیروں کو بلی اور گھوڑوں کو گدھا بنا کر بیچ دیتی ہے۔ علوم نجوم کے ماہرین کا خیال ہے کہ اگر کرپشن بھی مہنگائی کا توڑ نہ کر سکے اور پسی ہوئی عوام دونوں سے جان نہ چھڑا سکے تو سمجھ لو کہ سورج کے گھر میں کوئی منحوس ستارہ آگیا ہے پھر جب یہ ستارہ کھسکتے کھسکتے برج سے آگے گزر جائے گا تو پھر "پاگل لوگ" اپنے لیڈروں کو مارنا شروع کر دیں گے اور بڑا خون بہے گا۔ (بشکریہ : "اردو نامہ" مئی ۹۶ء)

چیچن جنرل جعفر داؤد کو خراج عقیدت

اسرار احمد سہاروی

بے مثل شجاعت میں عبادت میں بے بدل   بکھرے پڑے ہیں خاک میں دشمن کے دل کے دل
دل ہے رہین کیفیت وعدۂ ازل   ہے عزم میں ثبات ' تدبر ہے برمحل
انساں کو آبرو کا قرینہ سکھا دیا
جا کر فراز دار پہ جینا سکھا دیا
صحرا میں جا کے شکر کا سجدہ ادا کیا   نوک سناں سے بند دریچوں کو وا کیا
خون جگر سے حوصلہ غم کا عطا کیا   اہل وطن کو خوف عدو سے رہا کیا
کوہ و دمن کو خوں سے گلستاں بنا دیا
رنگ خزاں کو رشک بہاراں بنا دیا
ہاتھوں سے تیرے ظلم کے پردے الٹ گئے   حلقے تمام جور سلاسل کے کٹ گئے
پھیلے ہوئے تھے ظلم کے بازو سمٹ گئے   بادل عدو کے جور مسلسل کے چھٹ گئے
ایماں کی آنچ دل کو بھی جلنا سکھا گئی
فولاد کو بھی غم سے پگھلنا سکھا گئی
روسی صفوں میں آ گیا بے مثل انتشار   غیرت میں آئی فطرت ناموس کردگار
مٹ کر رہے گا ظلم و تشدد کا اقتدار   حل کر رہے گا قوم کو جینے کا اعتبار
تیری اذان عدل کی جھنکار بن گئی
تلوار سیف حیدر کرار بن گئی!

بقیہ : نوا را تلخ ترمی زن...

جس کے حکمران اس کثرت سے ملک سے باہر رہتے ہوں۔

ممکن ہے میری ان باتوں میں بعض لوگوں کو مبالغہ آرائی کا شائبہ ہو لیکن اگر کسی درجے میں ان میں حقائق کی جھلک نظر آئے تو پھر خود ہی سوچ لیجئے کہ انجام کیا ہو گا۔ میں عوام بالخصوص ملک کے دانشور طبقہ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اسی ملک میں علامہ اقبال کے فکر اسلامی کو حقیقت کا جامہ پہنانے میں ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی ساری جوانی اور توانائی صرف کی ہے۔ یقیناً ان کے علاوہ بھی کئی حضرات ہوں گے جنہوں نے نہایت خلوص اور لگن کے ساتھ اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے لیکن ہم بحیثیت قوم ٹس سے مس نہیں ہوئے اور اب صورتحال یہاں تک بگڑ چکی ہے کہ خاکم بدہن

ع نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے "پاکستان" والو!

بقیہ : ایڈیٹر کے ڈیسک سے...

درحقیقت ہم بحیثیت قوم ایک خبیث اور منحوس چکر کی لپیٹ میں ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس چکر کی گردش کبھی تیز ہو جاتی ہے اور کبھی قدرے مدھم۔ اس منحوس چکر کا سر آغاز وہ باطل نظام ہے جو قیام پاکستان سے لے کر آج تک ہم پر مسلط ہے۔ اسی نظام کی نحوستیں مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوتی رہتی ہیں۔ پچاس سالوں میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے اور معاشرہ اس حد تک متعفن ہو چکا ہے کہ ایک بھرپور انقلابی جدوجہد کے بغیر اصلاح احوال کی کوئی دوسری صورت ممکن نہیں۔ سیرت و سنت سے ماخوذ ایک ہمہ گیر انقلابی طریق کو اختیار کئے بغیر اگر کوئی سمجھتا ہے کہ وہ نظام کو بدل سکتا ہے یا کرپشن کو ختم کرنے پر قادر ہے تو وہ نہ صرف یہ کہ خود فریبی کا شکار ہے بلکہ فریب دہی کا مجرم بھی ہے۔ یہ وہ نوشتہ دیوار ہے جسے پڑھنے کے لئے خوش نما آرزوؤں کی رنگین عینک کو پہلے اتارنا ضروری ہے۔ ہاں اگر کوئی دانستہ اندھا بنا رہنے پر مصر ہو تو اس کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے!○○

جاگیرداری نظام کے خاتمے کے بغیر قیام پاکستان کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا

انگریز کے دیئے ہوئے نظام کے ساتھ وفاداری کے باوجود ۵۰ سالوں میں سارا نقشہ ہی بدل گیا

تحریر : سردار اعوان

علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں برعظیم پاک و ہند کے جس خطے کی بطور ایک آزاد مملکت کے قیام کی بشارت دی تھی اور اس میں دور ملوکیت کے دور میں اسلام پر پڑنے والے پردے ہٹا کر اسلام کا اصل چہرہ دنیا کے سامنے پیش کرنے کا خواب دیکھا تھا وہ خطہ ۱۹۴۷ء میں وجود میں آنے والے ملک "پاکستان" کے ۲۵ سال بعد دولخت ہو جانے کے باوجود لگ بھگ ۵۰ برس کی عمر گزار کر ابھی تک بحمد اللہ پاکستان ہی کے نام سے قائم و دائم ہے۔

موجودہ پاکستان میں اسلام پر دور ملوکیت کا سب سے دبیز پردہ جو اس نوزائیدہ مملکت کو انگریز سے ورثہ میں ملا تھا' جسے ہٹا کر ہمیں اسلام کا اصل چہرہ دنیا کے سامنے پیش کرنا تھا۔ وہ تھا اس برعظیم میں انگریز کا قائم کردہ جاگیردارانہ نظام۔ یعنی وہ پاکستان جس کا خواب علامہ اقبال نے دیکھا تھا اور جسے قائداعظم نے حقیقت کا روپ دلایا تھا اس وقت تک نامکمل تھا جب تک ہم وہ مقصد حاصل نہ کرتے جس مقصد کے لئے یہ ملک وجود میں آیا تھا' یعنی جاگیردارانہ نظام کا خاتمہ! مگر ستم بالائے ستم یہ کہ بھارت میں تو آزادی کے بعد جلد ہی یہ نظام ختم کر دیا گیا اور انہوں نے اپنے ہاں نئے نظام کی بنیاد رکھ دی لیکن ہم نے انگریز کا دیا ہوا نظام جوں کا توں برقرار رکھنے میں ہی مصلحت سمجھی۔

علامہ کی دور رس نگاہیں اسلام کے جس عادلانہ نظام کا نظارہ دنیا کو دکھلانا چاہتی تھیں وہ جانتے تھے کہ اس کے لئے بیعت کی بنیاد پر ایک امیر کی قیادت میں ایک ایسی منظم جماعت درکار ہے جو انقلاب کے ذریعے "نظام کہنہ" کو اکھاڑ پھینکے اور اسلام کا عادلانہ نظام قائم کر دے مگر حالات نے انہیں اس کی اجازت نہ دی جس کی وجہ سے یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ یہاں تک کہ ان کی کوششوں سے انقلابی طرز پر جو ایک جماعت قائم ہوئی تھی اس نے بھی بعد میں اس بھاری پتھر کو چوم کر ایک طرف رکھ دیا۔

علامہ جیسے عظیم مفکر اور اسلام کے شیدائی کو شاید اس کا اندازہ نہ تھا کہ یہ قوم اندر سے اس قدر گل سڑ چکی ہے اور ایسی احسان فراموش ثابت ہو گی کہ آزادی کی نعمت الٹا اس کے گلے کا ہار بن جائے گی لہٰذا قائداعظم کی زیر قیادت تحریک پاکستان کی جنگ میں انہوں نے مسلم لیگ کا بھرپور ساتھ دیا جس کے نتیجے میں پاکستان وجود میں آ گیا اور ہمیں انگریز اور ہندو کی براہ راست غلامی سے نجات مل گئی۔

انگریز کی اسلام اور مسلمانوں سے مخاصمت اور کدورت میں تو کسی قسم کے شک و شبے کی گنجائش ہی نہیں ہو سکتی نہ ہی ان سے عدل فاروقی کی توقع کی جا سکتی ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انگریز ایک بااصول اور نظم و ضبط کی پابند قوم ہے چنانچہ ان کے دور میں یہاں کے جاگیردار طبقہ کو "معززین" میں شمار ہونے کے لئے لامحالہ "رعایا پروری" کا ثبوت دینا پڑتا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ عام لوگوں کو اس نظام کے تحت بہت سے تحفظات حاصل تھے بلکہ بعض جگہوں پر خاصا "خوشگوار" ماحول فراہم تھا سوائے ایک رسہ گیری کی لعنت کے' مگر وہ بھی "مال" بنانے سے زیادہ اصلاً ایک "انتظامی" ضرورت تھی تاکہ غیر پسندیدہ عناصر کے خلاف اس کے ذریعے تادیبی کارروائی عمل میں لائی جا سکے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ انگریز حکمرانوں نے اس سے چشم پوشی اختیار کئے رکھی۔ دیہاتی زندگی میں چونکہ مال مویشی ہی ایک آدمی کا کل سرمایہ ہوتا تھا اس لئے کم ہی لوگ اس مال کے باوجود امن و امان کا مسئلہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔

انگریز کے دیئے ہوئے نظام کے ساتھ پوری وفاداری کے باوجود ان ۵۰ سالوں میں سارا نقشہ ہی بدل گیا ہے۔ ہندو کے یہاں سے جانے کا سب سے زیادہ فائدہ اسی جاگیردار طبقہ کو یا پھر ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والوں میں سے بعض مسلمانوں کو پہنچا۔ چنانچہ پہلے جو لوگ ہمیشہ ہندو کے مقروض رہتے تھے دیکھتے ہی دیکھتے ان کے ہاں روپے پیسے کی ریل پیل ہو گئی' انگریز کے دور میں جو پٹواری بھرتی ہوئے تھے وہ ڈپٹی کمشنر اور کمشنر کے عہدے تک جا پہنچے' پھیری لگانے والے کارخانہ دار بن گئے۔ اس سے رشوت' بدعنوانی' کنبہ پروری اور دوسروں کی کمائی پر ہاتھ صاف کرنے کا جو چسکا تقسیم کے دوران پڑا تھا وہ آج اپنے عروج کو پہنچ چکا ہے۔ صرف یہی نہیں' یہ خطہ زمین دنیا میں بدی اور نفرت و حقارت کے لحاظ سے شاید چوٹی پر ہے۔ لگتا ہے اس عرصے میں دنیا نے جس تیز رفتاری سے حیرت انگیز طور پر ترقی کی منازل طے کی ہیں اسی رفتار سے ہم نے پستی' ذلت اور رسوائی کے مقامات عبور کئے ہیں۔ پہلے ایک رسہ گیری کے سبب لوگوں کے مال مویشی محفوظ نہیں تھے اب ان کی عزت و آبرو بھی محفوظ نہیں رہی۔ پہلے کہیں اکا دکا قتل کی واردات ہو جاتی تھی' پھر خاندان کے خاندان "صاف" ہونے لگے' ہتھوڑا گروپ آئے' کلاشنکوف کلچر کی دھوم مچی' دہشت گردی اور پولیس مقابلوں کا رواج ہوا اور اب بم دھماکوں کا سلسلہ شروع ہے۔ ڈرگ مافیا' قبضہ گروپ' ڈاکے' عورتوں کی بے حرمتی۔ وغیرہ وغیرہ یہ ہے مملکت خداداد پاکستان!

اس پستی کے عالم میں پاکستان کو "ایشیائی چیتا" یا "ایشیائی ٹائیگر" بنانے کی جو نوید جاں فزا سنائی جاتی ہے اس کا مطلب یہی سمجھ میں آتا ہے کہ جاگیرداروں' نوابوں اور وڈیروں پر مشتمل جس طبقے کو تقسیم ہند کے نتیجے میں خوب ہاتھ رنگنے کا موقعہ ملا تھا وہ سارے لبادے اتار کر کھلم کھلا بھیڑیا تو بن ہی چکا ہے' جس دلیری اور سینہ زوری سے کام لے کر ہر شے ہڑپ کر رہا ہے اسے "ٹائیگر" بننے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ بھوکوں مریں یا بم دھماکوں کا نشانہ بنیں انہیں ملک سے باہر بھاگنے کی پڑی ہوتی ہے۔ اگر دنیا میں کہیں بھی کوئی ملک میزبانی کا شرف حاصل کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو حج اور عمرے تو کہیں گئے ہی نہیں۔ اسی طرح بیرون ملک علاج کا معاملہ ہے جب دل گھبرائے "علاج" کے لئے باہر ہو آیئے۔ ورنہ بامر مجبوری یہاں شکار اور مختلف تقریبات سے دل بہلایئے۔ رہے مصیبتوں کے مارے عوام تو انہیں سیکسی اور ناچ گانوں میں مست رکھنے سے سستا اور تیر بہدف نسخہ اور کوئی نہیں۔ دنیا کا یہ واحد ملک ہے

(باقی صفحہ ۱۷ پر)

ڈاکٹر صاحب نے کبھی کسی چڑھتے سورج کی پوجا کی ہے اور نہ ہی حکمرانوں کو کبھی اپنا ”قبلہ“ بنایا ہے

روزنامہ خبریں میں شائع ہونے والے ہارون الرشید کے کالم بعنوان ”ڈاکٹر اسرار احمد کی ڈور کون ہلا رہا ہے؟“

کے رد عمل میں جناب نعیم اختر عدنان کا جوابی مضمون

محترم و مکرم جناب ہارون رشید صاحب۔ ڈاکٹر اسرار احمد کی دو ٹوک، کھری اور سچی ”باتیں“ ہمارے دانشوروں کو عموماً پسند نہیں آتیں۔ ڈاکٹر صاحب کی دینی فکر ان کے غلبہ دین کے لئے کوشش و محنت اور ان کے انقلابی نظریات سے ایک زمانہ آگاہ ہے۔ آپ جیسے بالغ نظر، صاحب دانش و صاحب قلم کی جانب سے ڈاکٹر صاحب کے افکار و خیالات کو ”بوجھو تو جانیں“ کے سے انداز سے تختہ مشق بنانا اپنی جگہ ”ایک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا“۔ محترم ہارون صاحب آپ نے اپنے کالم ”ناتمام“ میں بہت سے معاملات و واقعات کو ”خلط مبحث“ کا شکار بنا کر قارئین کو الجھن میں ڈالنے کی ”کامیاب“ کوشش کی ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ جس راستے پر مولانا مودودی ٦٠ برس تک اپنا پسینہ گراتے اور لہو بہاتے رہے، ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی ساری توانائیاں مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے خلاف جھونک دیں۔ جناب من ۵۸ء میں جماعت اسلامی سے اپنے اظہار اختلاف کے بعد ڈاکٹر صاحب نے جماعت اسلامی سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد اقامت دین کی جدوجہد کے لئے قرآن کی درس و تدریس کو اپنی زندگی کا ”مشن“ بنا لیا۔ چنانچہ ڈاکٹر اسرار احمد کی اسی پر خلوص محنت شاقہ کے نتیجے میں ۷۲ء میں ڈاکٹر صاحب کی سربراہی میں انجمن خدام القرآن لاہور قائم ہوئی۔ اپنے قیام سے لے کر آج تک یہ ادارہ قرآنی علوم کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح پر نشر و اشاعت میں گراں قدر خدمات انجام دینے میں مصروف ہے۔ ان خدمات کو دین سے شغف رکھنے والے خوب جانتے اور پہچانتے ہیں۔ جدید علوم سے آراستہ و پیراستہ نوجوان نسل کو قرآنی علوم کی باقاعدہ تعلیم و تدریس انجمن خدام القرآن کے تحت قائم قرآن کالج میں گزشتہ دس سال سے اعلیٰ معیار کے ساتھ دی جا رہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی قرآنی خدمات کے اپنے اور بیگانے یکساں طور پر معترف ہیں مگر آپ جیسے ”باخبر“ صحافی کا حال کچھ اس طرح نظر آتا ہے کہ ۔ ”جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے“

ڈاکٹر صاحب کی توانائیاں نظام خلافت کے قیام کی جدوجہد اور تعلیم و تعلم قرآن کے علاوہ کسی اور مقصد پر نہ کبھی صرف ہوئی ہیں اور نہ آئندہ ہوں گی ان شاء اللہ۔ البتہ جان بوجھ کر مغالطہ آمیز باتیں لکھنا بعض صحافیوں کا حق ہی نہیں فرض منصبی بھی بنا ہوا ہے۔ آپ کا یہ فرمانا کہ ”ڈاکٹر صاحب نے ماہ غم میں شادی کی تقریبات پر اصرار کر کے فساد میں مبتلا اور فرقہ واریت سے دوچار معاشرے کے فساد میں اضافہ کیا“۔ برادر محترم کسی ماہ کو ”ماہ غم“ اور کسی مہینے کو ”ماہ مسرت“ قرار دینا محض ایک ذوقی بات ہے جس کا دین کے حقیقی تصورات سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے کسی مخصوص مہینے میں شادی کی تقریبات منعقد کرنے کی باضابطہ مہم چلا رکھی ہے تو اس حوالے سے عرض ہے کہ آپ کے اس موقف کی حیثیت سوائے الزام تراشی اور کچھ نہیں ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے افغانستان میں داخل ہونے والی روسی افواج کو کبھی ”یاجوج ماجوج“ کا لشکر نہیں کہا۔ اگر آپ کے پاس اس کا کوئی حوالہ موجود ہے تو اسے پیش کریں ورنہ بہتان طرازی کا الزام آپ پر آئے گا۔

جناب من! ڈاکٹر صاحب کی زندگی کھلی کتاب کی مانند ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کبھی کسی چڑھتے سورج کی پوجا کی ہے اور نہ ہی حکمرانوں کو کبھی اپنا ”قبلہ“ بنایا ہے اور نہ کسی جرنیل کی بامعاوضہ مدح سرائی کا جرم کیا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد اسلام کے غلبہ و سربلندی کے لئے اقتدار کی جنگ میں نہ تو خود حصہ لیتے ہیں اور نہ اسے دین کے حق میں مفید سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا موقف تو یہ ہے کہ دینی جماعتوں کو موجودہ سیاسی کشاکش سے کنارہ کش ہو کر نظام خلافت کے قیام کے لئے پرامن اور منظم احتجاجی تحریک کی بنیاد پر باطل نظام کا خاتمہ کرنا ہو گا۔ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو کندھا دے کر اقتدار کے ایوانوں تک پہنچانا اور پھر ان کی ٹانگیں کھینچنے کا ”نیک کام“ ڈاکٹر صاحب کی انقلابی سیاست میں ہمیشہ ہی سے مس فٹ رہا ہے چنانچہ ہم اس حوالے سے اتنا ضرور عرض کر کریں گے کہ ۔ اک طرز تغافل ہے سو ان کو مبارک، اک عرض تمنا ہے سو وہ ہم کرتے رہیں گے۔ رہا معاملہ عمران خان کی ڈور کے ہلنے کا تو اس حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد کے ساتھ محترم حکیم سعید اور دیگر اکابرین دین و ملت بھی عمران خان کے بارے میں کئی خدشات کا شکار ہیں۔ غالباً یہی مبنی بر حقیقت باتیں آپ کی طبع نازک پر گراں گزریں ہیں۔

جناب من! ڈاکٹر صاحب کی ذاتی زندگی اور ان کے خلوص و اخلاص کے ضمن میں جو مدح سرائی آپ نے کی ہے اس کے لئے آپ کا بے حد شکریہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو انہی اوصاف کا مصداق بنائے آمین۔ آپ نے اپنے کالم میں اس بے تابی کا اظہار بھی کیا ہے کہ کاش کوئی غیرت مند اجلے اور بے ریا عالم کے پاس جائے اور اسے سمجھائے۔ حضرت! آپ تو عرصہ تک ہفت روزہ ”ندا“ سے وابستہ رہے ہیں جس کے ایڈیٹر اقتدار احمد مرحوم حقیقی بھائی تھے۔ آپ اپنے اس تعلق کی نسبت سے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کر کے اپنا مطلوبہ فرض پورا کر سکتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کے دروازے پر کوئی دربان نہیں، ہٹو بچو کی صدائیں نہیں، ہر ایک کے لئے ڈاکٹر صاحب نے اپنی بانہیں وا کر رکھی ہیں، محترم ہارون رشید صاحب آیئے اور ہمیں سمجھایئے۔ چشم ما روشن دل ماشاد

(بشکریہ : خبریں، یکم جون)

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

نامے میرے نام...

مکرم و محترم جناب ڈاکٹر صاحب زاد لطفکم
سلام مسنون و مزاج گرامی!

ندائے خلافت کے تازہ شمارے میں آپ کی وہ تقریر پڑھنے کا موقعہ ملا جو آپ نے یوم اقبال کی تقریب میں ارشاد فرمائی۔ آپ نے اس میں جاگیرداری کے خاتمے پر زور دیا اس حوالے سے قائد اعظم کے مایک خطبہ صدارت سے ایک چھوٹا سا اقتباس آپ کی نذر کر رہا ہوں۔ قائد اعظم پاکستان کی معیشت کس نہج پر چلانا چاہتے تھے اس کا آئینہ دار ہے اور دوسرا اقتباس۔

میں آج کل قائد اعظم کی تقاریر و بیانات کو اردو کا جامہ پہنانے میں مصروف ہوں پہلی جلد ۱۹۱۱ء سے شروع ہو کر ۱۹۳۱ء پر ختم ہوتی ہے دوسری جلد ۱۹۳۴ء سے دسمبر ۱۹۴۱ء ۔ میرا خیال ہے کہ ساری تقریریں اور بیانات تین یا چار جلدوں پر محیط ہوں گی۔ بزم اقبال‘ ۲۔ کلب روڈ لاہور نے ان کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ پہلی جلد شائع ہو چکی ہے۔ دوسری جلد طباعت کے آخری مرحلے میں اور تیسری جلد پر میں کام کر رہا ہوں۔ قائد اعظم کی تقاریر و بیانات کو پہلی بار علی گڑھ کے پروفیسر جمیل الدین مرحوم نے جمع کیا تھا۔ ایک عرصہ سے کتاب بازار میں موجود نہیں کچھ عرصہ پہلے جناب خورشید یوسفی صاحب نے اس موضوع پر دوبارہ کام کیا اور پروفیسر جمیل الدین احمد کی کتاب میں قابل قدر اور قابل داد اضافے کئے۔ یہ کتاب بھی بزم اقبال والے ہی شائع کر رہے ہیں اور میرا خیال ہے کہ چند روز تک منصہ شہود پر آ جانی چاہئے۔ آپ نے ایک بار مجھ سے قائد اعظم اور تحریک پاکستان پر تنظیم کی لائبریری کے لئے کچھ کتابیں تجویز کرنے کے لئے ارشاد فرمایا تھا میری حقیر رائے میں یہ دونوں کتابیں آپ کے کتب خانے میں ہوں تو مناسب ہو گا بلکہ تیسری کتاب بھی!

تیسری کتاب کی داستان یہ ہے کہ حضرت علامہ اقبال کی تقریریں تحریریں اور بیانات عرصہ ہوا اقبال اکادمی (نیا پتہ : چھٹی منزل ایوان اقبال ایجرٹن روڈ لاہور) نے شائع کئے تھے اور ایک عرصے سے وہ بھی دستیاب نہ تھی۔ اقبال اکادمی نے حال ہی میں دوبارہ شائع کی اور اس کا ترجمہ کرنے کی سعادت مجھے حاصل ہوئی۔

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اقبال اکادمی کے ڈاکٹر وحید احمد قریشی صاحب کا خیال ہے کہ ترجمہ سال رواں کے اختتام سے قبل شائع ہو جائے گا ورنہ آئندہ سال کے اوائل میں۔

اقبال احمد صدیقی

Quaid-e-Azam and Feudalism

An extract from the verbatim report of the Presidential Address delivered extempore by Quiad-e-Azam Muhammad Ali Jinnah at the 30th annual Session of the All India Muslim League held at Delhi, on April 24, 1943:

> Here I should like to give a warning to the landlord and capitalists who have flourished at our expense by a system which is so vicious, which is wicked and which makes them so selfish that it is difficult to reason with them. The exploitation of the masses has gone into their blood. They have forgotten the lesson of Islam. Greed and selfishness have made these people subordinate to the interests of others in order to fatten themselves. It is true we are not in power to-day. You go anywhere to the countryside. I have visited some villages. There are millions and millions of our people who hardly get one meal a day. Is this civilisation? Is this the aim of Pakistan? Do you visualize that millions have been exploited and cannot get one meal a day! If that is the idea of Pakistan, I would not have it. If they are wise they will have to adjust themselves to the new modern conditions of life. If they don't, God help them; we shall not help them.
>
> (Speeches, Statements & Messages of the Quiad-e-Azam – 1943)

An extract from the address given at the first meeting of the All India Muslim League Planning Committee held on November 5, 1944:

> **No Capitalism**
>
> It is not our purpose to make the rich richer and to accelerate the process of the accumulation of wealth in the hands of few individuals. We should aim at leveling up the general standard of living amongst the masses and I hope your committee will pay due attention to this very important question. Our ideal should not be capitalistic but Islamic, and the interests and welfare of the people as a whole should be kept constantly in mind.
>
> (Speeches, Statements & Messages of the Quiad-e-Azam)

”احتیاطی تدبیر“

۲۴ جولائی ۱۹۷۱ء کو مارشل لاء کا ایک ایسا ضابطہ جاری کیا گیا جسے خفیہ رکھا گیا‘ اس کی وجوہ کیا تھیں شاید کسی کو اس کا علم نہیں یہاں تک کہ ۵ ریگولیشن جاری کرنے والے کو بھی اپنی اس ”احتیاطی تدبیر“ کا شعوری طور پر علم نہ تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ مارشل لاء کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا یہ منفرد واقعہ ہے اس سے قبل اس ملک میں یہ بھی ہو چکا ہے کہ مصنف نے اپنی ہی کتاب کو خلاف قانون قرار دے کر اسے ضبط کرنے کا حکم جاری کیا‘ نہ جانے یہ دونوں واقعات ”گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ“ میں شامل کئے گئے ہیں یا نہیں۔

(سہ ماہی ”وحدت“ اسلام آباد)